اسلامی کہانیاں
مرتبہ
آفتاب احمد خاں، ایم۔اے، بی، ٹی (علیگ)
اسلامی کہانیاں
ناشران محراب ادب فریئر روڈ کراچی

اِسلامی کہانیاں

مرتبہ

آفتاب احمد خاں ایم، اے، بی ٹی (علیگ)

پبلشرز

محراب ادب —— فریر روڈ کراچی

قیمت (مکتبۂ تہذیب) ۸عہ

فہرست

ایک بات

تمھیں کہانیاں پسند ہیں۔ اس کتاب میں بھی کہانیاں ہیں۔ لیکن یہ ان کہانیوں کی طرح نہیں ہیں جن میں فرضی جنوں اور پریوں کا ذکر ہوتا ہے یہ اصلی آدمیوں کی سچی کہانیاں ہیں۔ ان میں ہمارے بزرگوں کی زندگی کے سچے واقعات ہیں۔

گزشتہ زمانے کے لوگوں اور ان کی باتوں کے ذکر کو تاریخ کہتے ہیں۔ ہماری تاریخ اب سے تقریباً چودہ سو برس پہلے اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبی بنا کر بھیجا۔ اس عرصہ میں مسلمان نہ صرف پورے عرب میں پھیل گئے بلکہ عرب سے نکل کر دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئے۔ ان میں دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ، سپہ سالار، عالم اور سائنس داں پیدا ہوئے۔ انھوں نے دنیا کو علم وحکمت اور تہذیب سکھائی۔ ان میں وہ نامور پیدا ہوئے جن کی خوبیاں اور کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اس کتاب میں انہی بزرگوں میں سے کچھ کی سچی کہانیاں ہیں۔ ان کے پڑھنے سے ہمیں اپنی قومی شان

کا پتہ چلتا ہے ۔

تاریخ اسلام میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق کے جو نمونے موجود ہیں وہ دنیا کی کسی اور قوم میں نہیں ملتے ۔ ہمارے بزرگوں کی زندگیاں نیکی، سچائی ہمت، شرافت، انصاف اور دوسری خوبیوں کے واقعات سے بھری ہیں ۔ وہ گویا ایک چراغ کی طرح ہیں جس کی روشنی میں ہم اپنی زندگیوں کو سنبھال سکتے ہیں اور اپنے اندر وہ خوبیاں پیدا کر سکتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے ضروری ہیں ۔

امید ہے کہ یہ کہانیاں تمھیں پسند آئیں گی اور تم علم اور نیکی دونوں حاصل کرنے کی کوشش کروگے تاکہ قوم اور ملک دونوں تمہارے اوپر فخر کریں ۔

آفتاب احمد خاں

کراچی - ۸ جنوری ۱۹۵۰ء

۱۔ اللہ کا دین

اب سے تقریباً چودہ سو برس ہوئے جب ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مکہ کے لوگوں سے اسلام لانے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کے لئے کہا تو سوائے چند لوگوں کے اور کسی نے آپ کی بات نہ مانی۔ اُن کو تو اپنے بتوں سے محبت تھی آپ کی بات کیسے مانتے۔ چنانچہ آپ کی سخت مخالفت کی، آپؐ کو بُرا بھلا کہا، تکلیفیں دیں اور اُن لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے طرح طرح سے پریشان کیا لیکن آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور نہ آپ کی جماعت کے صبر و استقلال میں کوئی فرق آیا۔

آخر تنگ آکر قریش کے چند سردار آپ کے چچا ابو طالب کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ اس وقت آپ کے سب سے بڑے بزرگ تھے، بچپن میں آپ کی پرورش کر چکے تھے اور

اب بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حالانکہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن آپ کی حفاظت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ قریش نے سوچا کہ ان کے ذریعہ آپ کو تنبیہ کی جائے۔ چنانچہ ان سے کہا کہ "اے ابو طالب ہم تمہاری بہت عزت کرتے ہیں لیکن اب اس کی حد ہو گئی۔ تمہارا بھتیجا ہمارے خداؤں کو جھٹلاتا ہے اور ہماری قدیم رسموں کو برا کہتا ہے۔ ہم بہت دن تک برداشت کر چکے لیکن اب اور زیادہ برداشت نہیں کر سکتے۔ تو یا تو تم اس کو سمجھالو یا پھر تم اور وہ دونوں ہم سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ تاکہ یا تو تم ختم ہو جاؤ یا ہم ختم ہو جائیں۔"

ابو طالب رسول اللہ کو اور اپنی قوم کو، دونوں میں سے کسی کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ بھتیجے کے ساتھ ان کی اپنی جان بھی خطرے میں ہے تو آپ کو بلا کر بہت سمجھایا اور کہا کہ "بیٹا میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، مجھ میں اب اتنی طاقت نہیں کہ قریش کا مقابلہ کر سکوں۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ مجھ سے اٹھایا نہ جائے۔ تمہارے ساتھ اب میری

جان بھی خطرے میں پڑ گئی ہے ۔ اس لئے تم اپنے خیالات چھوڑ دو تو اچھا ہے ۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ اُن کے چچا نے بھی اُن کو چھوڑ دیا تو کافروں کا بہت زور ہو جائے گا۔ لیکن آپ نے ان کی باتوں کو اطمینان کے ساتھ سُنا اور فرمایا "چچا جان ، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں لوگوں کو اللہ کا دین سکھانے سے باز نہیں آسکتا۔ میں اپنا کام ہرگز نہیں چھوڑ سکتا چاہے اس کی خاطر میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے ۔"

ابو طالب نے آپ کا جواب سُنا تو اُن پر آپ کے خلوص اور عزم و استقلال کا بے حد اثر ہوا اور فرمایا "اچھا بیٹا تم جو چاہتے ہو کرو۔ رب کعبہ کی قسم میں تمھیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ جب تک میرے دم میں دم ہے ۔ کوئی دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ۔"

چنانچہ رسول اللہ اپنے کام میں لگے رہے ۔ کافروں

نے آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں اور بار بار آپ سے لڑنے کے لئے چڑھ آئے لیکن آپ نے اللہ کے دین کو نہ چھوڑا۔ آخر آپ کو کامیابی ہوئی اور آپ کی زندگی میں ہی تمام عرب میں اسلام پھیل گیا۔

اللہ کے دین پر قائم رہو، دنیا کی کوئی طاقت تم پر قابو نہیں پاسکتی۔

سوالات

۱۔ مکّہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں برا بھلا کہتے تھے اور آپ کو تکلیف پہنچاتے تھے؟

۲۔ مکّہ کے لوگوں کا کیا مذہب تھا؟ رسول اللہ انھیں کون سا مذہب سکھانا چاہتے تھے؟

۳۔ قریش کون تھے؟ رسول اللہ کا قریش سے کیا تعلق تھا؟

۴۔ قریشی سرداروں نے ابوطالب سے کیا کہا؟

۵۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا "اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں تو ......" اس سے آپ کا کیا مطلب تھا؟

۲۔ مہربانی کرنے والا

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ امن اور سلامتی چاہتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کی برائی کا کوئی کام نہیں کیا اور دشمنوں تک سے بے انتہا نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔

چنانچہ ہجرت کے تیسرے سال جنگ اُحد کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک موقع پر مسلمانوں کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ بعض اور صحابہ کے علاوہ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت علی جیسے بزرگ بھی زخمی ہو گئے۔ ایک کافر نے کیا حرکت کی کہ میدان جنگ میں ایک گڑھا کھود کر اُس کو گھاس پھونس سے ڈھک دیا۔ اتفاقاً رسول اللہ کا قدم اس پر پڑ گیا اور آپ گر پڑے جس سے آپ کے گھٹنے بُری طرح چھل گئے صحابہ نے آپ کو باہر نکالا تو ایک کافر نے آپ پر تلوار سے کئی وار کئے اور آپ کے چہرے کو زخمی کر دیا۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ کا برا حال ہوگیا۔ اُنھوں نے کافروں

پر زبردست حملہ کیا تاکہ رسول اللہ کو بچالیں، لیکن کافروں کا بہت زور تھا۔ اور وہ کچھ نہ کرسکے۔ آخر پریشان ہوکر آپ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ آپ کب تک خاموش رہئے گا، اللہ تعالےٰ سے ان کافروں کے حق میں بددعا کیجئے کہ انہیں برباد کردے۔"

آپ نے فرمایا "نہیں، میں ان کے لئے بددعا نہیں کرسکتا۔ میں لوگوں کے لئے بددعا کرنے یا انھیں نقصان پہنچانے نہیں آیا۔ بلکہ ان پر مہربانی اور رحم وکرم کرنے آیا ہوں" پھر اللہ سے دعا کی کہ "اے اللہ ان کافروں کو نیکی اور ہدایت دے، یہ اپنی اچھائی برائی کو نہیں سمجھتے، اسی لئے مجھ سے لڑتے ہیں۔"

اسی طرح پانچ سال بعد کا ایک واقعہ ہے جبکہ اسلام کافی پھیل چکا تھا اور مسلمان کافی طاقت ور ہوچکے تھے۔ اسلامی لشکر نے مکہ پر چڑھائی کی اور اس کو فتح کرلیا۔ چند سال پہلے یہاں سے بے انتہا پریشانی کی حالت میں نکلے تھے۔ لیکن آج اس شان

سے داخل ہوئے کہ کافر حیران رہ گئے۔ آپ نے خانہ کعبہ میں تشریف لے جاکر تمام بتوں کو توڑ دیا اور اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس وقت مکہ کے کافر کانپنے لگے کہ نہ معلوم اب ہمیں کیا سزا ملے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضور کو برا بھلا کہہ چکے تھے، آپ پر پتھروں کی بوچھار کر چکے تھے۔ لڑائیوں میں آپ کو تلواروں اور نیزوں سے زخمی کر چکے تھے اور دوسرے مسلمانوں میں سے تو بہت سوں کو اپنے ظلم سے شہید تک کر چکے تھے۔ اس وقت مارے ڈر کے ان کا بُرا حال ہو رہا تھا کہ اب نہ معلوم ہم سے کیا بدلہ لیا جائے۔

دنیا کا کوئی اور شخص ہوتا تو ان سب کو قتل کر ڈالتا۔ کسی کو پھانسی لگاتا۔ کسی کو زندہ جلا دیتا۔ لیکن اللہ کے اس سچے رسول نے ان سب کو معاف کر دیا اور اعلان کیا کہ "کوئی مسلمان کسی پر تلوار نہ چلائے۔ آج لڑائی اور بدلے کا دن نہیں بلکہ رحمت اور شفقت کا دن ہے"

اس کے بعد ان کافروں کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ "لوگو

میں تمہارا دشمن بن کر نہیں آیا۔ نہ میں تم سے کسی قسم کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ میں کوئی بادشاہ نہیں کہ تم مجھ سے ڈرو۔ میں تمہاری ہی طرح قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں اور تمہیں اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔"

آپ کا یہ رحم و کرم دیکھ کر مکہ کے کافروں نے اپنی حرکتوں سے توبہ کرلی اور رفتہ رفتہ سب مسلمان ہو گئے۔

مسلمان ہر ایک کے ساتھ رحمت و شفقت اور مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ اسی میں اسلام کی ترقی ہے۔

سوالات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت عالم کہا جاتا ہے۔ یہ کیوں؟

۲۔ جنگ احد میں صحابہ نے آپ سے کافروں کے لئے بددعا کرنے کو کیوں کہا؟

۳۔ آپ نے انھیں کیا جواب دیا؟ کوئی اور معمولی شخص ہوتا تو کیا جواب دیتا؟

۴۔ آپ نے مکہ کے کافروں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ اگر کافروں کی فتح ہوتی تو وہ آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے؟

۳- اللہ بچائے گا

کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو لڑائیاں لڑیں ان میں سے ایک جنگ سویق کے نام سے مشہور ہے سویق عربی میں ستوؤں کو کہتے ہیں۔

ہوا یہ کہ کافر ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر میں مسلمانوں سے ہار چکے تھے، اس لئے بدلہ لینے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ ابھی چند مہینے بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ دوبارہ مکہ سے اپنا لشکر لے کر نکلے اور مدینہ تک جہاں رسولؐ اللہ رہا کرتے تھے بڑھتے چلے گئے۔ اُن کا ارادہ جان توڑ لڑائی لڑنے کا تھا، کیونکہ بے کار وقت صرف ہونے کے خیال سے انھوں نے اپنے ساتھ کھانا پکانے تک کا بھی کوئی سامان نہیں لیا تھا۔ صرف ستو رکھ لئے تھے کہ بس انہی پر گزارہ کرلیں گے۔

رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اِن کافروں کے حملہ کا حال سُنا تو آپ بھی مقابلہ کے لئے نکل آئے

دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ لیکن کافر بے چارے مسلمان بہادروں کے مقابلے میں کیا جیتتے۔ تھوڑی ہی دیر میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ ستوؤں کے بوجھ کی وجہ سے گھوڑے تیز نہ دوڑ سکتے تھے۔ انھوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستوؤں کے تھیلوں کو بھی وہیں میدان میں پھینکا اور بھاگے چلے گئے۔ مسلمانوں کو ان کے اس طرح بھاگنے پر ہنسی آئی اور اُن سے چلا چلا کر کہا کہ اپنے یہ ستو تو لیتے جاؤ۔ لیکن ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اسی واقعہ کی وجہ سے یہ لڑائی ستوؤں کی لڑائی کہلاتی ہے۔

اسی جنگ سویق کا واقعہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر سے کچھ فاصلہ پر ایک درخت کے نیچے تنہا سو رہے تھے۔ اتنے میں دعثور نامی ایک کافر آپ کی طرف لپکا۔ اُس کی آہٹ سے آپ کی آنکھ کھل گئی تو اُس نے اپنی تلوار سونت کر کہا کہ "اے محمد اب تمھیں کون بچائے گا؟"

آپ اٹھ بیٹھے اور فرمایا "مجھے اللہ بچائے گا۔"

یہ جواب سُن کر دعثور پر آپ کا ایسا رعب چھایا کہ وہ کچھ نہ کرسکا، یہاں تک کہ اس کی تلوار بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔

آپ نے وہ تلوار اُٹھالی اور فرمایا کہ "بتا اب تجھے کون بچائے گا؟"

اس نے اپنی زندگی سے مایوس ہوکر کہا "کوئی نہیں۔"

آپ نے فرمایا "نہیں، تجھے بھی اللہ ہی بچائے گا۔ لے یہ اپنی تلوار اور اپنا راستہ لے۔ اللہ تجھے معاف کرے۔" یہ کہہ کر آپ نے اسے اس کی تلوار واپس دے دی۔

دعثور کے دل پر اس واقعہ کا بے حد اثر ہوا۔ وہ اسی وقت اسلام لے آیا اور تمام عمر رسول اللہ کی خدمت میں گزار دی۔

دنیا کی کوئی حفاظت اللہ کی حفاظت سے بہتر نہیں جس نے دوسروں پر بھروسہ کیا اُس نے نقصان اٹھایا۔

سوالات

۱۔ جنگ سویق کا یہ نام کیوں پڑا؟

۲۔ جب دعثور نے کہا کہ "اے محمد اب تمھیں کون بچائے گا"
تو اس کا کیا مطلب تھا؟

۳۔ "مجھے اللہ بچائے گا۔" یہ سن کر دعثور پر کیوں رعب چھا گیا؟

۴۔ دعثور نے یہ کیوں کہا کہ "کوئی نہیں"؟

۵۔ رسول اللہ نے اسے کیوں معاف کر دیا؟

۶۔ اللہ کی حفاظت دنیا کی تمام حفاظتوں سے کس طرح بہتر ہے؟

۴۔ سب برابر ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کافروں سے جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں اُن میں جنگ بدر سب سے زیادہ مشہور ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کو زبردست فتح ہوئی اور اس کے بعد اسلام نے بہت جلد ترقی کی

رسول اللہ کے مکّہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا دوسرا سال تھا کہ مکّہ کے کافروں کا سردار ابوجہل بہت بڑا لشکر لے کر آپ سے لڑنے کے لئے آیا۔ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد ہی کیا تھی۔ آپ اپنا چھوٹا سا لشکر لے کر ہی مدینہ سے نکل آئے اور بدر کے مقام پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ اللہ کو اسلام کی اور مسلمانوں کی عزت رکھنی تھی، اس چھوٹے سے لشکر نے ہی کافروں کو مار بھگایا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

اس لڑائی میں نہ صرف مسلمانوں کی تعداد کافروں کے مقابلہ میں بہت کم تھی، بلکہ اُن کے پاس ساز و سامان بھی بہت کم تھا۔

چنانچہ سواری کے جانور بھی پورے نہ تھے۔ اس لئے تین تین صحابہ کو ایک ایک اونٹ دیا گیا تھا کہ باری باری سے اس کی سواری کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے اونٹ میں دو اور صحابہ شریک کئے تھے اور صرف اپنی باری پر سوار ہوتے تھے۔ صحابہ نے بے حد کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں پیدل نہ چلیں، ہم آپ کی تکلیف گوارا نہیں کر سکتے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ تم پیدل چلو اور میں سوار رہوں۔

اسی طرح ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر صحابہ کھانا پکانے کی تیاریاں کرنے لگے کسی نے پانی لانے کی خدمت اپنے ذمہ لی، کسی نے آٹا گوندھنے کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں لکڑیاں لاؤں گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم خدمت کے لئے موجود ہیں، آپ تکلیف نہ کریں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ "مجھے بھی تو اپنے حصہ کا کچھ کام کرنا چاہئے۔"

آپ جب ہجرت کے بعد مدینہ میں تشریف رکھنے لگے

تو وہاں پہ ایک مسجد بنائی گئی جو مسجد نبوی کہلاتی ہے۔ کوئی حکومت یا ریاست تو تھی نہیں کہ مزدوری کے لوگ آکر کام کر جاتے۔ خود مسلمانوں نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنانا شروع کیا۔ صحابہ میں سے کوئی گارا دیتا، کوئی اینٹیں اُٹھا کر لاتا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی کام کروں گا اور اینٹیں لانے میں مصروف ہوگئے۔ دیکھنے والوں کو یہ نہ معلوم ہوسکتا تھا کہ ان میں سے سردار کون ہے اور مزدور کون۔ صحابہ نے بہت کہا کہ حضور محنت نہ کریں لیکن آپ نہ مانے اور سب کے ساتھ کام کرتے رہتے۔

اسلام بڑے چھوٹے حاکم اور رعایا کے فرق کو نہیں مانتا۔ تمام انسان ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

سوالات

۱۔ رسول اللہ کے زمانہ کی لڑائیوں میں کون سی لڑائی سب سے زیادہ مشہور ہے، اور کیوں؟

۲۔ رسول اللہ نے بدر کی لڑائی میں سواری کے گھوڑوں کی کمی کو کیسے

پورا کیا ؟

۳۔ آپ نے اپنے اونٹ میں دو اور صحابہ کیوں شریک کیے ؟
اس سے آپ مسلمانوں کو کیا بات سکھانا چاہتے تھے ؟

۴۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت رسول اللہ نے کون سا کام اپنے ذمّہ لیا اور کیوں ؟

۵۔ اسلامی مساوات سے تم کیا مطلب سمجھتے ہو ؟

۵- عید کا دن

عید کا دن تھا۔ نماز ہو چکی تھی۔ مدینہ کے مسلمان نماز ادا کر کے عید گاہ سے نکل رہے تھے۔ اچھا خاصا میلہ لگا ہوا تھا ہر طرف خوشی اور چہل پہل نظر آتی تھی۔ بچے بوڑھے سب اچھے اچھے کپڑے پہنے، طرح طرح کی چیزیں خریدتے، ایک دوسرے سے گلے ملتے، ہنستے بولتے پھر رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نماز سے فارغ ہو کر عید گاہ سے نکلے۔ لیکن آپ نکل ہی رہے تھے کہ ایک دبلے پتلے لڑکے کو دیکھا کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک کونے میں بیٹھا سسکیاں لے رہا ہے۔ چہرے پر رنج و غم کے آثار ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

آپ کو اس کے اوپر بہت رحم آیا۔ اُس کے پاس تشریف لے گئے۔ محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پوچھا "کیوں بیٹا۔ کیوں رو رہے ہو؟"

لڑکے کا دل بھر آیا۔ اُس نے اپنا سر اپنے گھٹنوں میں چھپا لیا اور زیادہ رونے لگا۔ آپ نے اسی طرح اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے پوچھا "تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

اُس نے روتے ہوئے جواب دیا "باپ ہے ہی نہیں" جہاد میں مارا گیا"

آپ نے پوچھا "اور ماں کہاں ہے؟"

کہا "ماں نے ایک اور آدمی سے شادی کر لی ہے۔ میں بھی اس کے ساتھ گیا تھا لیکن اس کے میاں نے مجھے نکال دیا"

آپ کو یہ سُن کر بہت رنج ہوا اور آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ لیکن آپ نے ضبط کیا اور ہنستے ہوئے فرمایا "تو یہ تو کوئی ایسی بات نہیں کہ تم اتنا دل بُرا کرو۔ میں تو تم سے بھی چھوٹا تھا۔ جب میرے ماں باپ کا انتقال ہو گیا تھا"

لڑکے نے سر اٹھا کر دیکھا تو آپ کو پہچان گیا۔ گھبرایا کہ میں کس کے سامنے رو رہا ہوں۔ لیکن آپ نے نرمی اور محبت سے فرمایا "سنو، اگر میں اور عائشہ تمھیں اپنا بیٹا اور فاطمہ تمھیں

اپنا بھائی بنالیں تو تم خوش ہو جاؤ گے۔

اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔ لڑکے نے آنسو پونچھے اور ہنستا ہوا آپ کے ساتھ چل دیا۔

آپ اس کو لے کر اپنے گھر پہنچے اور اپنی بیوی حضرت عائشہ سے فرمایا "لو اللہ نے تمہارے لئے ایک بیٹا بھیجا ہے

حضرت عائشہ کو جب سارا واقعہ معلوم ہوا تو وہ بھی بہت خوش ہوئیں۔ لڑکے کو پیار کیا، اپنے ہاتھ سے نہلایا دھلایا، کھانا کھلایا اور اچھے صاف ستھرے کپڑے پہنائے۔ پھر فرمایا "جاؤ اب کھیل آؤ"!

مسلمان ہمیشہ کمزوروں اور لاوارثوں کی مدد کرتے ہیں۔ دوسروں کا رنج وغم دور کرنا ہی سب سے بڑی خوشی ہے۔

سوالات

۱- مدینہ میں چہل پہل کیوں تھی؟ عید کے روز سب لوگ کیوں خوشی مناتے ہیں؟

۲- وہ لڑکا کیوں رو رہا تھا؟

۳- آپ نے اس کو کس طرح خوش کیا؟

۸۔ اسلامی پرچم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی حضرت مصعب تھے۔ آپ کے والدین بہت دولت مند تھے اور انھوں نے آپ کو بڑے نازونعمت سے پالا تھا۔ لیکن آپ نے بڑے ہوکر تمام مال ودولت کو چھوڑ دیا اور تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لگے رہے۔

ایک روز آپ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کے بدن پر سوائے ایک کھال کے اور کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی تعریف کی اور جو صحابہ موجود تھے ان سے فرمایا "مصعب کو دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی نازپروردہ نہ تھا۔ لیکن اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے تمام تکلفات سے بے نیاز کردیا۔"

ہجرت کے تیسرے سال جب جنگِ اُحد ہوئی تو اس میں

اسلامی پرچم اٹھانے کی خدمت آپ کے سپرد تھی اِس لڑائی میں آخر کار کافروں کو مسلمانوں سے صلح کرنی پڑی تھی۔ لیکن ایک موقع ایسا آگیا تھا کہ مسلمانوں میں ہل چل مچ گئی تھی اور اُن کے پیر اُکھڑ گئے تھے۔ حضرت مصعب پر دشمنوں نے حملہ کیا لیکن آپ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ جس کو خود رسول اللہ نے پرچم دیا ہو وہ کیسے پیچھے ہٹتا۔ آپ کافروں سے تنہا لڑتے رہے اور پرچم کو ذرا بھی نیچا نہ ہونے دیا۔

لیکن تنہا تھے آخر کہاں تک مقابلہ کرتے۔ ایک طاقت ور سوار آپ کی طرف بڑھا اور آپ کے جس ہاتھ میں پرچم تھا اس پر تلوار کا ایک زبردست وار کیا جس سے آپ کا وہ ہاتھ کٹ گیا۔

لیکن جو اللہ کے دین کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہو وہ ہاتھ کی کیا پروا کرتا۔ دوسرا ہاتھ بڑھا کر اس سے پرچم کو تھام لیا اور اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ دشمن نے ایک اور وار کر کے آپ کے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ دیا۔ آپ نے اپنے کٹے ہوئے بازوؤں سے ہی پرچم کو سنبھال کر اپنے سینے

سے لگا لیا کہ کسی طرح زمین پر نہ گرنے پائے۔ لیکن اتنے میں ایک اور کافر آگیا اور دونوں نے مل کر آپ کو اپنے نیزوں سے شہید کر دیا۔

آپ نے شہادت قبول کی لیکن اپنی زندگی میں اسلامی پرچم کو نیچا نہ ہونے دیا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی لاش کے پاس کھڑے ہوکر یہ آیت پڑھی کہ "مسلمانوں میں کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کو پورا کر دکھایا۔"

اسلام کے فدائی اپنے پرچم کی عزت اور سربلندی کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ اسی سے اسلام کی حفاظت ہوتی ہے۔

سوالات

۱۔ قومی پرچم کس بات کا نشان ہے۔
۲۔ حضرت مصعب نے اپنے پرچم کی کس طرح حفاظت کی؟
۳۔ رسول اللہ ؐ نے جو آیت پڑھی۔ اس سے ان کا کیا مطلب تھا؟
۴۔ قومی پرچم کی عزت کرنے سے کیا مطلب ہے اور اس کی کیوں ضرورت ہے؟

۷۔ ایک جاں نثار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس کام کو لے کر اُٹھے تھے۔ وہ پورا ہو چکا تھا۔ اللہ کا دین عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ چکا تھا۔ سب نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ کوئی کسی سے چھوٹا بڑا نہ رہا تھا سب آپس میں بھائی بھائی ہو چکے تھے۔ جو دس سال پہلے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے وہ آج دلی دوستوں کی طرح ملتے۔ مدینہ میں ان کی محفلیں ہوتیں، خوشی کے جلسے ہوتے، گزری ہوئی باتوں کو یاد کیا جاتا۔ تکلیفوں اور پریشانیوں کے دن، خوشی و مسرت کے زمانے، دشمنوں سے لڑائیاں، وہ دوست اور عزیز جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے کام آ گئے، کتنی باتیں تھیں جو انھیں یاد آتیں۔

ایک روز شام کے وقت ایسی ہی ایک محفل لگی ہوئی تھی پرانے پرانے بہادر اور سورما جمع تھے۔ باتوں باتوں میں جنگِ بدر کا ذکر نکل آیا۔ ایک طرف حضرت ابوبکر بیٹھے تھے۔ اُن کی

جان نثاری کا کون مقابلہ کرتا۔ شروع سے لے کر آخر تک کوئی
وقت ایسا نہیں جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ
نہ رہے ہوں، کوئی معرکہ ایسا نہیں جس میں انھوں نے شرکت
اور آں حضرت کی حفاظت نہ کی ہو۔ دوسری طرف آپ کے
صاحبزادے حضرت عبدالرحمان بیٹھے تھے۔ ایک وقت تھا کہ
مسلمانوں کا ان سے بڑا کوئی دشمن نہ تھا۔ آج یہ سچے مسلمان
اور اسلام کے زبردست جاں بازوں میں تھے۔ جنگِ بدر میں
وہ کافروں کی فوج کے ساتھ تھے۔ اس موقع پر وہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خود اپنے والد حضرت ابوبکر سے جس بہادری
اور جواں مردی سے لڑتے تھے وہ سب کو اچھی طرح یاد تھی۔

حضرت عبدالرحمان نے کہا "ابا جان، بدر میں آپ کئی مرتبہ
میری زد پہ آ گئے تھے۔ لیکن میں نے ہر مرتبہ اپنے گھوڑے
کو روک کر دوسری طرف موڑ لیا۔"

حضرت ابوبکر بوڑھے ہو چکے تھے۔ لیکن کڑک کے فرمایا۔
"تم نے مجھے چھوڑ دیا ہوگا۔ اگر تم میری زد پہ آ جاتے تو خدا

کی قسم ہرگز نہ چھوڑتا۔ میں اولاد کی خاطر اللہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتا۔"

اللہ کی راہ میں دنیا کے تمام رشتے باطل ہیں۔ صرف جاں نثاری اور قربانی سے اسلام نے ترقی کی۔

سوالات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کام کو پورا کرنے آئے تھے؟

۲۔ اسلام سے پہلے عربوں کی کیا حالت تھی؟ پھر وہ بھائی بھائی کیسے ہو گئے؟

۳۔ حضرت عبدالرحمان نے ہر مرتبہ اپنا گھوڑا کیوں موڑ لیا؟

۴۔ حضرت ابوبکر نے یہ کیوں کہا کہ میں ہرگز نہ چھوڑتا؟

۸۔ ضرورت سے زیادہ

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر سب سے پہلے خلیفہ ہوئے۔ آپ ہمیشہ سے کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد بھی اسی طرح تجارت کرتے رہے اور چونکہ نہایت ہی سادہ مزاج تھے اس لئے اپنا مال اپنے آپ بازار لے جا کر بیچتے تھے۔

ایک دن اسی طرح چند چادریں ہاتھ میں لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت عمر ملے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا "بازار جا رہا ہوں۔"

وہ بولے "اگر آپ اسی طرح تجارت میں لگے رہے تو خلافت کا کام کون کرے گا؟"

آپ نے فرمایا "آخر بیوی بچوں کے لئے خرچہ کہاں سے لاؤں؟"

حضرت عمر نے کہا "چلیئے ابوعبیدہ کے پاس چلیں، وہ آپ

کے لئے بیت المال سے کچھ رقم مقرر کر دیں گے؟"

حضرت ابوعبیدہ بیت المال کے خزانچی تھے۔ جب یہ دونوں اُن کے پاس پہنچے تو انھوں نے حضرت ابوبکر کے لئے روزانہ کا اتنا ہی وظیفہ مقرر کر دیا۔ جتنا عام طور پر ہر مہاجر کو ملتا تھا۔ آپ نے نہایت خوشی سے اُسے قبول کر لیا اور اپنا سارا وقت مسلمانوں کی خدمت میں صرف کرنے لگے۔

حضرت ابوبکر شروع میں بہت مالدار شخص تھے لیکن اپنی تمام دولت اسلام کی اور مسلمانوں کی خدمت میں خرچ کر چکے تھے۔ اب اُن کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ خلافت کا کام سنبھال لینے کی وجہ سے تجارت بھی بند کرنی پڑی۔ اب سوائے بیت المال کے وظیفہ کے ان کا کوئی اور سہارا نہیں رہا۔ لیکن یہ رقم اتنی کم تھی کہ اس میں گزارہ کرنا بہت مشکل تھا۔ بڑی تنگی رہتی۔ یہاں تک کہ اتنی بھی گنجائش نہ تھی، کہ کبھی کبھی کوئی اچھا کھانا ہی پک جائے۔ اس کے باوجود آپ

ہمیشہ خوش رہتے۔

ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے روزانہ کے خرچ میں سے تھوڑا بچا کر کچھ پیسے جمع کئے اور کچھ میٹھی چیز پکانے کا ارادہ کیا۔ حضرت ابوبکر کو معلوم ہوا تو بیوی سے پوچھا کہ اس کے لئے پیسے کہاں سے آئیں گے انھوں نے بتایا کہ تھوڑے تھوڑے بچا کر جمع کئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں بیت المال سے جو رقم ملتی ہے وہ ہماری روز مرّہ کی ضرورتوں سے زیادہ ہے۔ حالانکہ مجھے وہاں سے صرف اتنی ہی رقم لینے کا حق ہے جس میں میرا اور میرے بیوی بچوں کا گزارہ ہو جائے۔

یہ کہہ کر اُٹھے اور حضرت ابو عبیدہ کے پاس جاکر اپنے وظیفہ کی رقم کم کرا دی۔ سب کو بے حد تعجب ہوا، لیکن آپ نے فرمایا "میں ضرورت سے زیادہ نہیں لوں گا۔"

اللہ کے مقبول بندے حاکم اور سردار ہوکر بھی عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ نہیں خرچ کرتے۔ اُن کی بڑائی آرام سے

رہنے میں نہیں۔ بلکہ لوگوں کو آرام مہیّا کرنے میں ہے۔

سوالات

۱۔ حضرت ابوبکر خلافت سے پہلے کیا کرتے تھے؟

۲ آپ چادریں لے کر کہاں جا رہے تھے اور کیوں؟

۳۔ آپ کے لئے کتنا وظیفہ مقرر کیا گیا؟

۴۔ پھر آپ نے اس کو کیوں کم کرا دیا؟

۵ ۔ بیت المال کسے کہتے ہیں؟

۹۔ سرداری و غلامی

اسلامی تاریخ میں حضرت عمر فاروق کا بہت بڑا درجہ ہے
آپ نے حضرت ابوبکر کے بعد ساڑھے دس سال خلافت
کی اور ایران، عراق، شام، فلسطین اور مصر کو فتح کر کے اس
شان سے حکومت کی کہ تمام دنیا مسلمانوں سے کانپ اُٹھی۔
اس شان، دبدبے اور طاقت کے باوجود آپ نے
کبھی اپنی عاجزی نہ چھوڑی۔ دنیائے اسلام کے حاکم اور
سردار تھے، لیکن دل میں سچی اسلامی ہمدردی اور خدمت کا
شوق تھا۔ جس طرح پہلے غریبوں، ضعیفوں اور ناتوانوں کی
خدمت کرتے رہتے تھے اسی طرح اب بھی کرتے رہے۔
سرداری اور حکومت کا دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔
آپ کا دستور تھا کہ رات کے وقت شہر کی گلیوں
اور آس پاس کی آبادی میں گشت لگایا کرتے تھے تاکہ اگر
کوئی مصیبت میں ہو تو اس کی مدد کریں۔ ایک روز اسی طرح

گشت لگا رہے تھے کہ مدینہ سے تین میل دور نکل گئے۔
ایک خیمہ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ اس کے
سامنے ایک بدوی نہایت پریشانی کے عالم میں چپ چاپ
بیٹھا ہے اور اندر سے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ آپ اس
کے قریب گئے اور اس پریشانی کی وجہ دریافت کی۔ اس نے
کہا کہ میری بیوی کے بچہ ہونے والا ہے۔ لیکن میں مسافر ہوں
اور میرا یہاں کوئی دوست یا جاننے والا نہیں جو میں وہاں
سے کسی عورت کو اس کی خبرگیری کے لئے لے آؤں۔

حضرت عمر نے اس کو تسلّی دی اور فوراً اپنے گھر تشریف
لائے۔ اپنی بیوی حضرت اُم کلثوم کو حال سنایا اور کہا "تم
اس بے چارے غریب کی مدد کرسکتی ہو؟"

رات کا وقت تھا اور حضرت اُم کلثوم آرام کرنے کے
لئے لیٹ گئی تھیں۔ لیکن فوراً تیار ہو کے حضرت عمر کے ساتھ
چل دیں۔ وہاں پہنچ کے حضرت عمر نے اُن کو تو اندر بھیج دیا
اور خود خیمہ کے باہر بدوی کے پاس بیٹھ کر اس سے باتیں

کرنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت اُم کلثوم نے اندر سے آواز دی کہ "امیرالمومنین اپنے دوست کو مبارک باد دے دیجئے۔ اللہ نے انھیں فرزند عطا کیا ہے۔"

بدو نے امیرالمومنین کا لفظ سُنا تو اُسے معلوم ہوا کہ آپ کون ہیں اور اُسے بڑی شرم آئی کہ میں نے انھیں کیوں تکلیف دی۔ چنانچہ وہ آزادی سے باتیں کرنے کے بجائے آپ کا ادب اور لحاظ کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا تم کیوں گھبراتے ہو۔ مجھے ویسے ہی اپنا دوست سمجھو جیسے تھوڑی دیر پہلے سمجھتے تھے۔ میں امیرالمومنین ضرور ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کا بادشاہ ہوں۔ میں تو اصل میں مسلمانوں کا غلام ہوں۔"

جو حاکم اپنے آپ کو قوم کا خادم نہیں سمجھتے انہیں مسلمانوں کی سرداری کا حق نہیں۔

سوالات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسلامی حکومت کہاں تک تھی؟ حضرت عمر نے اور کون سے ملک فتح کئے؟

۲۔ حضرت عمر نے حاکم ہونے کے باوجود اپنی عاجزی کیوں نہیں چھوڑی؟

۳۔ بدوی کیوں پریشان تھا؟ حضرت عمر نے اس کی کس طرح مدد کی؟

۴۔ خلافت اور بادشاہت میں کیا فرق ہے؟

۱۰۔ ایک محل کا انجام

خلیفہ حضرت عمر کا زمانہ اسلامی مساوات کے لئے مشہور ہے۔ آپ نے کبھی بڑے اور چھوٹے کا فرق نہ مانا۔ خود سادگی سے رہتے تھے اور اپنے ماتحتوں کو بھی سادگی سے رہنے کا حکم دیتے تھے۔ آپ کے دروازے پر کبھی کوئی سنتری یا پہرے دار نہیں رہا۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ چاہے جب نہایت آزادی کے ساتھ آکر اپنی تکلیف بیان کرے۔

آپ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی کو کسی علاقے یا صوبے کا حاکم بنا کر بھیجتے تو اس سے عہد لیتے کہ وہ اپنی شان دکھانے کے لئے گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، عام مسلمانوں سے زیادہ باریک اور نفیس کپڑا نہ پہنے گا۔ اپنے دروازے پر کوئی سنتری نہ رکھے گا اور ضرورت مند جس وقت بھی آئیں ان کی فریاد اسی وقت سنے گا۔

جب عراق پر قبضہ ہو چکا تو ایک مرتبہ آپ نے کچھ

لوگوں کی درخواست پر شہر کوفہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اور اس کام کو حضرت سعد بن وقاص کے سپرد کیا جنھوں نے عراق فتح کیا تھا اور اب وہاں کے حاکم تھے۔ حضرت سعد نے اس میں ایک ڈیوڑھی بنواکر اس میں کئی سنتریوں کا پہرہ لگایا۔ آپ کو جب معلوم ہوا کہ سعد نے اس طرح کی ایک ڈیوڑھی بنائی ہے تو آپ کو اس خیال سے بہت تکلیف ہوئی کہ اب فریاد کرنے والے اور ضرورت مند آزادی کے ساتھ سعد کے پاس نہ پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ آپ نے فوراً ایک قاصد روانہ کیا کہ کوفہ جاکر اس ڈیوڑھی کو گروا دے۔

حضرت عمر کا یہ قاصد جب کوفہ پہنچا اور حضرت سعد کو اس کے آنے کی اطلاع کی تو آپ نے اس کو اپنے محل میں بلوایا۔ لیکن اس نے محل میں داخل ہونے سے انکار کردیا اور کہا کہ تم خود باہر آکر خلیفہ عمر کا حکم سُن جاؤ۔

سعد باہر آئے تو قاصد نے حضرت عمر کا ایک خط دیا لکھا تھا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ایک عالی شان محل

تیار کیا ہے اور اس میں ایک ڈیوڑھی بناکر فریادیوں کو اپنے پاس آنے سے روکتے ہو۔ تمہارا یہ محل کیا ہوا مسلمانوں کی بربادی کا سامان ہوا۔ امید ہے کہ تم اس خط کو دیکھتے ہی اپنی ڈیوڑھی کو گرا دو گے۔"

آپ کے اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور عراق کے اس زبردست حاکم کی عالی شان ڈیوڑھی ذرا سی دیر میں جلاکر خاک کر دی گئی۔

اسلام نے حاکم اور عوام کے درمیان کوئی پردہ نہیں رکھا۔ یہ اسلامی حکومت کا نہیں، دنیاوی بادشاہت کا نشان ہے۔

سوالات

۱۔ سنتری اور دربان کس لئے رکھے جاتے ہیں؟

۲۔ حضرت سعدؓ کا دربان رکھنا حضرت عمرؓ کو کیوں برا معلوم ہوا؟

۳۔ "تمہارا محل کیا ہوا، مسلمانوں کی بربادی کا سامان ہوا" اس سے حضرت عمرؓ کا کیا مطلب تھا؟

۴۔ حضرت عمرؓ صوبوں کے حاکموں سے کیا عہد لیتے تھے، اور کیوں؟

۱۱۔ مسلمان کا وعدہ

شروع زمانہ اسلام میں ایران اور روم کی حکومتیں دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور تھیں۔ ایران میں اسلامی پرچم لہرانے کے بعد حضرت عمر نے سلطنت روم کی طرف توجہ کی جو رُوم سے لے کر شام اور فلسطین تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ عیسائیوں کی سلطنت تھی اور قیصر ہرقل اس کا بادشاہ تھا۔

شام کی مہم حضرت ابو عبیدہ کے سپرد تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام اسلامی لڑائیوں میں شاندار خدمات انجام دے چکے تھے۔ آپ کی جنگی قابلیت اور جواں مردی نے یہاں بھی اپنے جوہر دکھائے۔ اسلامی لشکر شہر پہ شہر فتح کرتا سیلاب کی طرح بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ شام میں رومیوں کے پایہ تخت دمشق کو بھی فتح کر لیا۔

ان لگاتار شکستوں سے رومی عیسائیوں میں ہل چل مچ گئی اور قیصر ہرقل نے غصہ میں آکر اپنی سلطنت کے

کونے کونے سے فوج جمع کر کے مسلمانوں سے آخری زبردست لڑائی لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ مغرور رومی عرب کے بے سرو سامان شتربانوں کی حکومت کیسے مان لیتے۔

اس درمیان میں مسلمان ایک اور مقام حمص پر قبضہ کر چکے تھے۔ لیکن رومیوں کی ان تیاریوں کی وجہ سے انہیں بھی اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے اپنے تمام لشکروں کو جمع کرنا ضروری ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے چند سرداروں سے مشورہ کیا اور کہا کہ میرے خیال میں ہمیں حمص سے بھی اپنی فوجیں واپس بلانی پڑیں گی۔

اس مجلس میں چند سپاہی بھی شریک تھے۔ اُن میں سے ایک کھڑا ہوا اور بولا "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم وہاں کے باشندوں کے جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اب اس کی خلاف ورزی کسی طرح مناسب نہیں"۔

حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا "لیکن اب ہمیں خود اپنے

آپ کو بچانے کی فکر پڑی ہوئی ہے ۔ ہم ان کی کیسے حفاظت کریں اگر ہم ان کی فکر میں لگ گئے تو ہماری فوجوں کو کہیں شکست کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

سپاہی نے جواب دیا۔ "شکست کی کوئی پروا نہیں۔ مسلمان کا وعدہ سلطنت سے زیادہ قیمتی ہے ۔ اگر بہت مجبوری ہے تو اُن کی حفاظت کے معاوضہ میں جو جزیہ ان سے لے لیا ہے وہ اُن کو واپس کردو، پھر چاہے جو کچھ کرنا۔"

حضرت عبیدہ کو یہ رائے پسند آئی ۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ عیسائیوں اور یہودیوں سے جو جزیہ لیا گیا ہے وہ انھیں واپس کر دیا جائے ۔ پھر ان لوگوں کو بلاکر ان سے کہا کہ "ہم فوجی حالات کی بنا پر واپس جارہے ہیں اور تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتے ، اس لئے تمہاری رقم تمہیں واپس کر رہے ہیں ۔"

اس واقعہ کا ان لوگوں پر اتنا اثر ہوا کہ روتے جاتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے کہ خدا کرے تم فتح یاب ہو کر

پھر واپس آؤ۔ یہودیوں نے قسم کھا کر کہا کہ وہ قیصر کو ہرگز حمص پر قبضہ نہ کرنے دیں گے۔ یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے اور پہرہ لگا دیا۔

مسلمان اپنا نقصان برداشت کر سکتے ہیں، لیکن کافروں تک سے بھی بد عہدی نہیں کر سکتے۔

سوالات

۱۔ شام کی مہم کے کون سپہ سالار تھے؟

۲۔ حضرت ابوعبیدہ اسلامی فوج حمص سے کیوں واپس بلانا چاہتے تھے

۳۔ "مسلمان کا وعدہ سلطنت سے زیادہ قیمتی ہے"۔ اس سے سپاہی کا کیا مطلب تھا؟

۴۔ جزیہ کسے کہتے ہیں حضرت ابوعبیدہ نے یہ کیوں واپس کر دیا؟

۵۔ اس کا حمص کے عیسائیوں اور یہودیوں پر کیا اثر ہوا؟

۱۲۔ ایک پر ہزار

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ آپ تجارت کرتے تھے اور صحابہ میں سب سے زیادہ امیر تھے۔ اسی لئے غنی یعنی مالدار کہلاتے تھے۔ آپ کا بچپن بڑے عیش و آرام میں گزرا تھا، لیکن بڑے ہونے پر آپ نے کبھی امیرانہ شان وشکوت نہیں دکھائی۔ نہایت سادہ زندگی گزارتے اور تجارت سے جو کچھ حاصل ہوتا وہ دل کھول کر دین کے کاموں اور غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے میں خرچ کرتے۔

حضرت عثمانؓ کی سخاوت اور فیاضی کے بہت سے واقعات ہیں۔ مسلمان مکّہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ آئے تو پانی کی بہت تکلیف اٹھائی۔ سارے مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کا تھا۔ وہ اس کا پانی قیمت سے دیتا تھا جو غریب مہاجروں کے لئے بڑی مصیبت تھی حضرت عثمانؓ کو اس سے بہت رنج ہوا۔ آخر آپ نے

طے کیا کہ اس کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیں۔ لیکن وہ یہودی راضی نہ ہوا۔ آپ اس کی قیمت بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ بارہ ہزار درہم تک قیمت پہنچ گئی۔ آخر وہ اس بات پر راضی ہوا کہ اچھا آدھا کنواں تمہارا۔ آدھا میرا۔ تقسیم اس طرح کی کہ ایک روز حضرت عثمان اس میں سے پانی لیں اور ایک روز وہ خود۔ حضرت عثمان نے مجبور ہو کر یہ عجیب قسم کا سودا منظور کر لیا اور تمام مسلمانوں کو عام اجازت دے دی کہ اُن کی باری کے دن وہ جتنا چاہیں اتنا پانی اس میں سے نکال لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمان آپ کی اس فیاضی پر بے حد خوش ہوئے۔

تھوڑے دن بعد اس یہودی نے آپ سے آٹھ ہزار درہم اور لے کر کنویں کا اپنا حصہ بھی آپ کو دے دیا اور اب مسلمانوں کو پانی کا کوئی فکر نہ رہا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایسا قحط پڑا کہ کھانے پینے

"

چیزیں ملنا مشکل ہوگئیں اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ حضرت عثمان نے کئی ہزار من غلہ باہر سے منگوایا۔ جب یہ مدینہ میں آگیا تو شہر کے کئی سوداگر آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ کو روپیہ میں آٹھ آنے منافع دینے کو تیار ہیں۔ یہ غلّہ ہمیں دے دیجئے۔ اور وعدہ کیا کہ تمام غلہ صرف اُن لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں گے جو قحط کی وجہ سے پریشان ہیں۔

آپ نے اُن کی باتیں سننے کے بعد فرمایا۔ "میں اپنی چیز اتنے کم منافع پر نہیں دے سکتا۔ اگر تم ایک روپیہ پر ہزار روپے منافع دینے کو تیار ہو تو لے جاؤ۔"

آپ کی اس بات پر انہیں بہت تعجب ہوا۔ کہنے لگے "یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ آپ کو اتنا منافع کون دے گا؟"

آپ نے فرمایا "ایک ہے جس نے اتنے ہی منافع کا وعدہ کیا ہے۔ میں اپنا مال اسی کو دوں گا۔"

اس کے بعد آپ نے وہ سب غلّہ غریبوں اور محتاجوں

کو خیرات کر دیا اور فرمایا "مجھے یقین ہے اللہ مجھے ایک ہزار گنا ہی منافع دے گا۔"

اللہ کے نیک بندے اپنی دولت اپنے عیش و آرام میں نہیں بلکہ دوسروں کی تکلیفیں دور کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔

سوالات

۱۔ حضرت عثمان غنی کیوں کہلاتے تھے؟ کیا ہر مالدار آدمی کو غنی کہہ سکتے ہیں؟

۲۔ آپ نے مدینہ میں پانی کی تکلیف کو کیسے دور کیا؟

۳۔ جو سوداگر آپ کے پاس غلہ خریدنے آئے وہ اصل میں کیا چاہتے تھے؟

۴۔ آپ نے اپنا مال کس کے ہاتھ فروخت کیا اور کیوں؟

۵۔ دولت مندوں اور امیروں کا کیا فرض ہے؟

۱۳۔ مسلمانوں کا دل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ یہاں مسلمانوں کو امن ملا تھا۔ اللہ کا نام آزادی سے لے سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا ایک مسجد بنائی جائے۔ جہاں سب مسلمان مل کر نماز پڑھیں۔ ایک انصاری بچے نے عرض کیا ہماری زمین میں مسجد بنا لیجئے۔ آپ نے کچھ چندہ جمع کرکے زمین کی قیمت ادا کردی اور صحابہ سے فرمایا آؤ اب مسجد بنائیں۔

مسجد بنائی گئی، لیکن کس شان سے؟ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزدوروں کی طرح کام کرتے اور اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے۔ مال اور عمارت کی سادگی ملاحظہ ہو۔ صرف گارے کی کچی دیواریں بنا کر اوپر سے کھجور کے پتوں کی چھت ڈال دی گئی۔ جیسے مسلمانوں کا دین سیدھا سادا ویسی ہی سیدھی سادی ان کی مسجد۔ سب اس کو دیکھ

کر خوش ہوتے کہ یہ ہماری سب سے پہلی مسجد ہے۔ سب کو رسول اللہ سے بے انتہا محبت تھی۔ اس لئے مسجد نبوی اس کا نام رکھا۔

اسلام ترقی کرتا گیا۔ مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ آخر اس مسجد میں نمازیوں کا آنا مشکل ہوگیا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کوئی ہے جو اس مسجد کو وسیع کرے جنت میں اس سے بہتر جگہ حاصل کرلے۔"

حضرت عثمان موجود تھے۔ آپ نے قریب کی زمین خرید کر آپ کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا "لیجئے اب مسجد کو بڑھوا لیجئے۔"

اور زمانہ گزرتا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کو پندرہ سال گزر گئے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ ختم ہوچکا۔ حضرت عثمان خلیفہ ہوئے۔ مسلمانوں نے آپ سے کہا "امیرالمومنین اب پھر مسلمانوں کی تعداد اتنی ہوگئی ہے کہ مسجد نبوی میں نہیں آسکتے، اس لئے

اس کو اب اور بڑا کرا دیجئے۔"

آپ اس وقت خلیفہ وقت تھے۔ چاہتے تو سب مسلمانوں سے روپیہ لے کر مسجد بنوا دیتے۔ لیکن اس میں آپ کی کیا خوبی رہتی۔ آپ نے اپنے روپے سے اور زمین خریدی اور نئے سرے سے مسجد کی تعمیر شروع کرائی۔ دس مہینے لگ گئے۔ لیکن پھر جو عمارت تیار ہوئی اس کی شان اور خوب صورتی آج تک یادگار ہے۔

مسجدیں مسلمانوں کا دل ہیں۔ ان سے ہی علم و ترقی کے سرچشمے نکلے اور نکلتے رہیں گے۔ مسلمان ان کو دل سے عزیز رکھتے ہیں۔

سوالات

۱۔ مدینہ پہنچ کر مسجد کا بنانا کیوں ضروری ہوا؟

۲۔ مسجد نبوی کس طرح بنائی گئی؟

۳۔ حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی کیا کیا خدمت کی؟

۴۔ مسجد نماز کے علاوہ مسلمانوں کے کس کس کام آسکتی ہے؟

۱۴۔ اِتفاق کی دَولت

ایک مرتبہ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانے میں ایک زبردست فتنہ کھڑا ہوگیا۔ چند کم سمجھ اور بد نیت لوگ آپ کے خلاف بغاوت کر بیٹھے۔ لیکن آپ نہایت ہی نیک دل اور صلح پسند بزرگ تھے۔ ملت اسلامیہ کے درد سے آپ کا دل لبریز تھا۔ آپ نے اپنے آپ کو قربان کر دیا لیکن مسلمانوں میں کشت و خون نہ ہونے دیا۔

اصل میں بات یہ ہوئی کہ آپ کے پاس مصر کے حاکم عبداللہ ابن سعد کے بارے میں کچھ شکایتیں آئیں۔ آپ نے اسے تنبیہ کر کے معاف کر دیا۔ وہ بہت شریر آدمی تھا۔ اس نے بغاوت کر دی اور اپنا ایک زبردست لشکر تیار کر کے آپ سے لڑنے کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ جس نے آپ کا مکان گھیر لیا۔

یہ دیکھ کر تمام صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور عرض کیا کہ اے امیرالمومنین اگر آپ اجازت دیں تو
ہم چند منٹ میں ان لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں۔
آپ نے فرمایا "نہیں میں تمھیں اس کی اجازت نہیں
دے سکتا۔ تمھیں اللہ کی قسم، تم اپنی تلواریں پھینک دو۔
میں اپنے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے نہیں رنگنا چاہتا۔ یہ
لوگ مجھے مارنا چاہتے ہیں، اگر میرے جان دینے سے
مسلمانوں کی دو جماعتیں کشت و خون سے بچ جائیں اور
اسلام کے فرزندوں کو لڑائی جھگڑے کی آگ سے نجات
مل جائے تو میں خوشی کے ساتھ جان دے سکتا ہوں"
صحابہ نے آپ کے فرمانے پر عمل کیا لیکن اُن کا دل
نہ مانا کہ آپ کو اکیلا چھوڑ دیں۔ آپ کے مکان کا پہرہ
دینے لگے۔ لیکن آخر کہاں تک بچاتے۔ ایک روز کئی دشمن
آپ کے مکان میں گھس گئے اور تلوار سے وار کیا۔ آپ
اس وقت قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ زخمی ہو کر
گر پڑے اور خون میں تڑپنے لگے۔

آخری وقت تھا۔ آپ نے آسمان کی طرف نظریں اُٹھائیں اور اللہ سے دعا کی کہ "اے اللہ میرے قتل کے بدلے میں مسلمانوں کو اتفاق کی دولت عطا فرما" پھر جو لوگ موجود تھے اُن سے کہا کہ "یاد رکھو مسلمان اینٹ کی دیوار کی طرح ہیں۔ جس نے کسی مسلمان کو قتل کیا اس نے گویا اس دیوار کی ایک اینٹ نکال دی۔ یہ پھر کبھی پہلے کی طرح مضبوط نہیں رہ سکتی"۔

سچے مسلمان قومی اتحاد و اتفاق کی خاطر اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتے۔

سوالات

۱۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف مصر کے حاکم نے کیوں بغاوت کی؟

۲۔ آپ نے صحابہ کی مدد لینے سے کیوں انکار کر دیا؟

۳۔ آپ نے مسلمانوں کو اینٹ کی دیوار کی طرح کیوں فرمایا؟

۱۵- بلا تلوار کے لڑنے والا

جن بزرگوں نے اسلام کی شان و شوکت بڑھانے اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے کوشش کرنے میں حصہ لیا ہے اُن میں حضرت علیؑ کا بہت بڑا درجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اللہ کے دین کا اعلان کیا تو آپ صرف آٹھ نو برس کے تھے۔ آپ فوراً ایمان لے آئے۔ لڑکوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ اس کے بعد ساری عمر اسلام کی خدمت میں گزاری۔ آخر حضرت عثمان کے بعد خلیفہ ہوئے

آپ نہ صرف ایک باکمال عالم و فاضل تھے بلکہ بڑے دلیر اور جاں باز بہادر بھی تھے۔ آپ نے کبھی کسی سے ہار نہ مانی۔ اللہ کی راہ میں اور اس کے رسول کی خاطر اتنی لڑائیاں لڑیں کہ آپ کا نام شیر خدا مشہور ہوگیا۔

لیکن آپ کے لڑنے میں بھی ایک شان تھی۔ آپ

نے کبھی کسی سے اپنی آن کی خاطر لڑائی نہیں لڑی اور نہ کبھی کسی کمزور یا مجبور پر ہاتھ اُٹھایا۔

ایک مرتبہ کافروں کے ایک قبیلہ سے لڑائی ہو رہی تھی اور آپ کو دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ ایک طاقت ور جوان اپنا راستہ صاف کرکے آپ کے پاس آیا اور زبردست حملہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اس کے حملہ کا جواب دیا۔ دونوں میں سخت لڑائی شروع ہوگئی۔

وہ شیر خدا کے آگے کیا جمتا۔ ذرا سی دیر میں اس کی تلوار ٹوٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور زمین پر گر پڑی حضرت علیؓ نے یہ دیکھ کر اپنا ہاتھ روک لیا اور لڑائی بند کردی، کیونکہ وہ کسی نہتے اور مجبور آدمی پر ہاتھ اٹھانا شرافت اور انسانیت کے خلاف سمجھتے تھے۔

لیکن وہ کافر بھی معمولی قسم کا آدمی نہ تھا۔ وہ اسی طرح ہمت کے ساتھ کھڑا رہا اور کہا "علی، میں بھاگنے والا نہیں۔ اگر مجھے ایک تلوار دے دو تو میں ابھی اور

لڑنے کو تیار ہوں۔"

حضرت علیؓ کے پاس اس وقت صرف ایک ہی تلوار تھی۔لیکن آپ نے کچھ پروا نہ کی۔ اور اسے دشمن کو دیتے ہوئے کہا" لو، اسی کو لے لو۔"

وہ مارے تعجب کے ہکا بکا رہ گیا۔ کہنے لگا" تم مجھے اپنی تلوار دے دو گے تو خود کیا کرو گے، میں تو تمہیں چھوڑنے والا نہیں۔"

حضرت علیؓ مسکرائے اور فرمایا" میں پھر اور کیا کروں؟ مجھ سے کوئی آدمی کوئی چیز مانگے تو میں اس سے انکار نہیں کرسکتا، چاہے وہ میری تلوار ہی کیوں نہ ہو۔"

آپ کی یہ بات سن کر اس کافر کے دل پر بہت اثر ہوا۔ کہنے لگے جب آپ جیسے لوگ محمدؐ کے جاں نثاروں میں ہیں تو میری کیا ہستی ہے جو میں ان کے خلاف لڑوں۔ آپ کی شرافت اور ہمت کے آگے اپنی ہار مانتا ہوں اللہ آپ کو اپنے دشمنوں پر فتح عطا کرے۔"

مسلمان شرافت و انسانیت کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے انھوں نے اکثر اسی کے ذریعہ اپنے دشمنوں پر قابو حاصل کیا ہے۔

سوالات

۱۔ حضرت علیؓ کن خوبیوں کی وجہ سے مشہور ہیں؟ آپ کو شیر خدا کیوں کہا جاتا ہے؟

۲۔ آپ کے لڑنے میں کیا شان تھی؟

۳۔ آپ کافر سے کیوں نہیں ڈرے اور اس کو اپنی تلوار کیوں دے دی؟

۴۔ آپ کی اس بات کا اس پر کیا اثر ہوا؟

۱۶- بہترین فیصلہ

حضرت علی مقدمات کا صحیح فیصلہ کرنے اور لوگوں کے جھگڑوں کو اچھے طریقے پر چکانے میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ آپ کی اس قابلیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تعریف فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ دو آدمی سفر میں چلے جا رہے تھے۔ ایک مقام پر کھانا کھانے بیٹھے۔ ان میں سے ایک کے پاس تین روٹیاں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں۔ ابھی ان لوگوں نے دستر خوان بچھایا ہی تھا کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر آگیا اور ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگیا۔

جب یہ سب کھانا کھا چکے تو اس تیسرے مسافر نے اپنے حصے کی روٹیوں کے آٹھ درہم ان دونوں کو دئے اور چلا گیا۔ جس مسافر کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اس نے پانچ درہم خود لے لئے اور تین درہم دوسرے کو

دے۔ لیکن اُس نے تین درہم لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو پورے آدھے یعنی چار درہم لوں گا۔

آخر یہ معاملہ حضرت علیؓ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے تین روٹیوں والے شخص سے کہا کہ تمھارا ساتھی تمھیں جو کچھ دے رہا ہے وہی لے لو، اسی میں تمھارا فائدہ ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں میں تو چار درہم لوں گا کیونکہ انصاف سے میرا اتنا ہی حصّہ ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا "تم اگر انصاف سے حصّہ لینا چاہتے ہو تو پھر تو تمھیں صرف ایک درہم اور تمھارے ساتھی کو سات درہم ملنے چاہئیں"۔

اُس نے حیرت سے پوچھا "یہ کیسے؟"

آپ نے فرمایا "دیکھو، تم لوگوں کے پاس آٹھ روٹیاں تھیں جو تین آدمیوں نے برابر برابر کھائیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر ہر روٹی کے تین تین حصے کر کے کل چوبیس حصے کئے جائیں تو تم میں سے ہر ایک نے آٹھ آٹھ حصے کھائے تمہارے پاس تین روٹیاں یعنی نو حصے تھے۔ جس میں سے

آٹھ تم نے کھائے اور ایک تیسرے مسافر نے۔ تمھارے دوسرے ساتھی کے پاس پانچ روٹیاں یعنی پندرہ حصّے تھے جس میں سے آٹھ اُس نے کھائے اور سات تیسرے مسافر نے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ تیسرے مسافر نے تمہاری روٹی میں سے ایک حصہ اور تمہارے ساتھی کی روٹی میں سے سات حصّے کھائے، اس لئے تمھیں ایک درہم اور تمھارے ساتھی کو سات درہم ملنے چاہئیں۔"

مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے عدل و انصاف سے دوسروں کے جھگڑے خوبی کے ساتھ طے کر دیں۔

سوالات

۱۔ حضرت علیؓ کے فیصلے کس بات کے لئے مشہور ہیں؟

۲۔ آپ نے دو مسافروں کا مقدمہ کس طرح طے کیا؟

۳۔ تمہاری رائے میں اس معاملہ کا فیصلہ اور کسی طرح بھی ہو سکتا تھا؟

۱۷۔ اللہ کی خوشنودی

حضرت امام حسنؓ ایک مرتبہ کھجوروں کے ایک باغ میں سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک حبشی غلام ایک درخت کے نیچے بیٹھا کھانا کھا رہا ہے اور قریب ہی ایک کتا کھڑا ہے وہ ایک نوالہ خود کھاتا ہے اور ایک کتے کو ڈالتا جاتا ہے آپ نے سوچا کہ یہ کوئی عجیب آدمی ہے کہ اپنا آدھا کھانا تو کتے کو ہی کھلائے دے رہا ہے۔ چنانچہ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ "تم اس کتے کو بھگا کیوں نہیں دیتے؟"

اس نے جواب دیا کہ "مجھے شرم آتی ہے کہ میں تو کھاتا رہوں اور اس کو بھگا دوں۔"

غلام کا یہ رحم و کرم اور اس کی یہ خدا ترسی آپ کو بہت پسند آئی۔ آپ نے پوچھا "تمہارا آقا کون ہے؟"

اس نے اپنے آقا کا نام بتایا۔ آپ نے فرمایا "تم ذرا

یہیں ٹھیرو، میں ابھی آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد آپ واپس تشریف لائے اور فرمایا "بھائی میں نے یہ باغ اور تمھیں دونوں کو تمھارے مالک سے خرید لیا ہے۔ اب میں تمھیں آزاد کرتا ہوں اور اس باغ کو بھی تمھیں بخشتا ہوں۔"

اس غلام نے اتنی عنایت اور مہربانی اپنی زندگی میں کہاں دیکھی تھی۔ مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا۔ اُٹھ کھڑا ہوا اور حضرت امام حسن کا ہاتھ چوم کر شکریہ ادا کیا" لیکن اُس کا دل تو اللہ کی طرف لگا ہوا تھا۔ اپنے عیش و آرام کی فکر نہ تھی۔ سادگی سے کہا "آپ نے مجھے اللہ کی خاطر آزاد کیا ہے اور یہ باغ بخشا ہے۔ میں اب اس کو اسی کی راہ میں وقف کئے دیتا ہوں۔"

جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں وہ دنیا کا مال و دولت اپنے عیش و آرام میں نہیں بلکہ دوسروں کی مدد کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔

سوالات

۱۔ غلام کیا کر رہا تھا؟ حضرت امام حسن کو یہ بات کیوں پسند آئی؟

۲۔ آپ نے اُس غلام کی مدد کے لئے کیا کیا؟ غلامی اور آزادی میں کیا فرق ہے؟

۳۔ اللہ کی راہ میں وقف کرنے کا کیا مطلب ہے؟

۴۔ غلام نے وہ باغ اللہ کی راہ میں کیوں وقف کر دیا؟

۱۸۔ شیدائی رسول

حضرت عبداللہ حضرت عمرؓ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ اپنے باپ کی طرح اللہ اور رسول کے فدائی اور اسلام کے شیدائی تھے۔ پوری زندگی اللہ کی تابعداری اور رسول کی فرماں برداری میں گزاری۔

بہت سے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد دنیا داری میں پڑ گئے اور انھیں دنیا کے مال و دولت کی فکر ہو گئی۔ لیکن آپ کی زندگی میں کبھی کوئی فرق نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی فراغت اور خوش حالی بخشی تھی لیکن آپ نے کبھی یہ دولت اپنے اُوپر صرف نہیں کی۔ ہمیشہ اس کو اللہ کے دین کی ترقی اور اس کے بندوں کی خدمت میں خرچ کرتے رہے۔

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت تھی اور نہ صرف اپنے تمام کاموں میں حدیث پر عمل کرتے تھے بلکہ خاص طور پہ کوشش کرتے تھے کہ وہ تمام کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ

وسلم کیا کرتے تھے۔ آپ کو نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلکہ اُن تمام چیزوں سے محبت تھی جن کا آں حضرت سے ذرا بھی تعلق تھا۔ ایک بار نبی کریم صلعم نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا۔ آپ اکثر اس درخت کو جا کر پانی دیا کرتے کہ کہیں خشک نہ ہو جائے۔

ایک مرتبہ آپ ایک اونٹ پہ سوار کسی دوست کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک غریب اعرابی ملا۔ آپ نے اتر کر اسے سلام کیا اور خیریت پوچھی۔ پھر جب چلنے لگے تو اس کو اپنا اونٹ اور عمامہ دیا۔ اور دینے کے بعد بہت خوش ہوئے۔

دوست نے پوچھا "یہ کون شخص تھا؟ تم نے اس کو اتنی قیمتی چیزیں دے دیں، وہ تو کسی معمولی چیز سے ہی خوش ہو جاتا۔"

آپ نے فرمایا "اصل میں بات یہ ہے کہ اس شخص کا باپ میرے والد کا دوست تھا، اور میں نے حضور صلعم سے سُنا ہے کہ اپنے باپ کے دوستوں سے سلوک کرنا بہت بڑی

نیکی ہے۔ اسی لئے میں نے اس اعرابی کو یہ چیزیں دی ہیں۔"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح پیروی کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے میں ہی مسلمانوں کی اور اسلام کی ترقی ہے۔

سوالات

۱۔ حضرت عبداللہ کی کیا خاص خوبی تھی؟
۲۔ حدیث پر عمل کرنے سے کیا مطلب ہے؟
۳۔ حضرت عبداللہ درخت کو پانی کیوں دیا کرتے تھے؟
۴۔ آپ نے اعرابی کو اونٹ اور عمامہ کیوں بخشا؟
۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں کیوں ترقی ہے؟

۱۹- عاجزی و بے باکی

حضرت عبداللہ بن عمر میں جہاں اور خوبیاں تھیں وہاں ایک یہ بھی تھی کہ ہر ایک سے عاجزی انکساری سے پیش آتے تھے راستہ میں جو جان پہچان والے ملتے انھیں خود سلام کرتے اور اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو بہت افسوس کرتے۔

لیکن یہ عاجزی اور انکساری صرف اپنے ذاتی معاملات میں تھی۔ دین کے معاملہ میں کیا مجال جو کسی کے سامنے خاموش ہو جاتے یا کسی سے دب جاتے۔

اُس وقت حجاج بن یوسف مدینہ کا حاکم تھا۔ وہ بہت سخت آدمی تھا۔ مدینہ کے تمام لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ لیکن آپ نے کبھی اس کی کچھ پروا نہ کی۔ جہاں اس کو غلطی کرتے دیکھتے اس پر اعتراض کر دیتے۔ وہ آپ سے بہت جلتا تھا لیکن آپ کی بے غرض زندگی اور مسلمانوں میں مقبولیت کی وجہ سے کچھ نہ کر سکتا تھا۔

ایک مرتبہ وہ مسجد میں جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا لیکن اس کو اتنا لمبا کر دیا کہ عصر کا وقت قریب آگیا۔ حضرت عبداللہ بھی موجود تھے۔ اور کسی کی تو کچھ کہنے کی ہمت ہوئی نہیں، آپ اٹھے اور فرمایا کہ "نماز کا وقت جا رہا ہے۔ اب اپنی تقریر ختم کرو۔" اس نے کچھ توجہ نہ کی۔ آپ نے تھوڑی دیر بعد پھر کہا۔ لیکن اس نے اب بھی خیال نہیں کیا۔ یہ دیکھ کر آپ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے ادھر ادھر لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا کہ "معلوم ہوتا ہے اس کو نماز نہیں پڑھنی۔ اگر میں اٹھ جاؤں تو تم اٹھ جاؤ گے؟" سب نے کہا "ہاں" چنانچہ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ اور تمام لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ دیکھ کر حجاج نے خطبہ بند کر دیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا "ہم مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں، نماز کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھایا کرو۔ اگر کچھ اور تقریر کرنی ہو تو نماز کے بعد کر سکتے ہو۔"

اسلام نے ہمیں سچائی سکھائی ہے۔ اگر حاکم بھی کوئی غلطی کرے

تو اس کو ٹوک دو۔

سوالات

۱۔ حجاج جمعہ کا خطبہ کیوں پڑھ رہا تھا؟ ہمارے یہاں آج کل یہ خطبہ کون پڑھتا ہے؟

۲۔ حضرت عبداللہ کو کس بات پر غصہ آیا؟

۳۔ آپ نے حجاج کا خطبہ کس طرح بند کیا؟

۴۔ آپ نے حجاج کو کیا وجہ بتائی؟

۲۰۔ اللہ کافی ہے

فتح عراق کا واقعہ ہے۔ خلیفہ حضرت عمر کا زمانہ تھا اور حضرت سعد بن وقاص اس مہم کے سردار تھے۔

اس وقت عراق پر ایران کے آتش پرست بادشاہ کی حکومت تھی جو مدائن میں رہتا تھا۔ اس نے حضرت سعد بن وقاص کے خلاف ایک زبردست فوج روانہ کی، لیکن آپ نے قادسیہ کے مقام پر اس کو بری طرح شکست دے کر بھگا دیا۔

اب آپ مدائن کی طرف بڑھے اور چند ہی مہینے میں بابل اور بہرہ شیر کو فتح کر کے اس کی سرحد پر پہنچ گئے۔

یہاں دریائے دجلہ بیچ میں تھا۔ دوسری طرف ایرانیوں کا ایک زبردست لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے جمع تھا۔ آپ نے دجلہ کے مغربی کنارے پر ڈیرے ڈال دئے اور لڑائی کی تیاری کرنے لگے

اس وقت دریائے دجلہ طغیانی پر تھا اور بارش کی کثرت کی وجہ سے اس کا پاٹ بہت بڑھ گیا تھا اور اس کے زور

شور کی کوئی حد نہ تھی - ایرانیوں نے دریا کے ساحل پر سے تمام کشتیاں بھی ہٹالی تھیں تاکہ مسلمان کسی طرح اس کو عبور نہ کرسکیں یہ حیران تھے کہ اب کیا کریں، کیونکہ جتنی دیر ہوتی جاتی تھی اتنی ہی ایرانیوں کی فوج بھی بڑھتی جاتی تھی -

آخر ایک روز رات کو حضرت سعد بن وقاص نے خواب دیکھا کہ مسلمان دجلہ میں داخل ہوگئے ہیں - آپ نے صبح نماز سے فارغ ہوکر تمام اسلامی لشکر کو جمع کیا اور فرمایا کہ "دشمن نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے - اس کے پاس بڑی بڑی کشتیاں ہیں اور وہ چاہے جب تم پر حملہ کرسکتا ہے، لیکن تم اس پر حملہ نہیں کرسکتے - اس لئے قبل اس کے کہ دنیا تم پر غالب آجائے یا تمہارے خلوص اور ایمان میں کمی واقع ہو اللہ کے لئے کچھ کام کرلو - میں نے تو طے کرلیا ہے کہ معبود حقیقی پر بھروسہ کرکے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دوں گا - تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

اس لشکر میں سب سوار ہی تھے - پیادہ ایک بھی نہ تھا - انھوں نے جب اپنے سپہ سالار کا یہ عزم اور ارادہ دیکھا تو سب ایک

زبان ہوکر بولے کہ "ہم بھی دل و جان سے آپ کے ساتھ ہیں۔"

آپ نے مسلمانوں کے اس جذبہ اطاعت اورخلوص کو دیکھا تو فرمایا "اچھا تواس سمندر جیسے دریا کو پار کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرکے اس میں اپنے گھوڑے ڈال دو۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔"

یہ کہا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر چل دئے۔ آگے آگے آپ اور پیچھے پیچھے آپ کا لشکر، کسی نے دریا کے زور شور کی پروا نہ کی اور مردانہ وار پانی میں بڑھتے چلے گئے۔ آپ چلتے جاتے اور فرماتے جاتے "ہم اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں، اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہی ہمیں کافی ہے۔ کیونکہ وہی سب سے اچھا کارساز ہے وہ ضرور ہمیں فتح دے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا۔ اس کی مدد کے بغیر کسی میں کچھ طاقت نہیں۔"

آخر اللہ پر بھروسہ کرنے والے مجاہدین کے اس زبردست لشکر نے ذرا سی دیر میں دریا کو صحیح وسالم پار کرکے دشمن پر

اچانک حملہ کر دیا۔

ایرانی اس بیک حملہ سے ایسے حیران ہوئے کہ ٹھیک طرح لڑ بھی نہ سکے۔ بہت کوشش کی لیکن اسلامی شہ سواروں کے آگے کچھ نہ چلی۔ آخر شکست کھائی اور سعد بن وقاص فتح و نصرت کا پرچم لئے مدائن میں داخل ہوئے۔

جن کے دل میں دین کی محبت اور اللہ پر بھروسہ ہے وہ دنیا کی بڑی سے بڑی مشکلوں سے بھی نہیں گھبراتے اور آخر کار کامیاب ہوتے ہیں۔

سوالات

۱۔ عراق کس نے فتح کیا؟ ان کی کون کون سی لڑائیاں مشہور ہیں؟

۲۔ مدائن کی لڑائی میں مسلمانوں کو کیا مشکل پیش تھی؟

۳۔ حضرت سعد بن وقاص نے اپنے لشکر کو دریا پار کرنے کے لئے کیسے راضی کیا؟

۴۔ دریا کو پار کرتے وقت آپ کیا فرما رہے تھے؟ اس سے آپ کی کیا خصوصیات ظاہر ہوتی ہے؟

۲۱- اللہ کی تلوار

اسلامی تاریخ میں حضرت خالد بن ولید کا نام بہت مشہور ہے۔ آپ فن جنگ کے ماہر اور زبردست سپہ سالار تھے۔ آپ نے اسلام کی خاطر بڑی بڑی لڑائیاں لڑیں اور اسے سربلند کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہی آپ نے کئی لڑائیوں میں جاں نثاری اور بہادری کے ایسے کارنامے انجام دئے کہ آپ نے انھیں سیف اللہ، یعنی اللہ کی تلوار کا خطاب عطا فرمایا۔

آپ واقعی اللہ کی تلوار تھے۔ آپ نے تقریباً ۱۲۵ لڑائیوں میں حصہ لیا اور ہر ایک میں کامیاب ہوئے۔ جسم پر ایک بالشت بھی جگہ ایسی نہ تھی کہ جس پر زخم کا کوئی نشان نہ ہو۔ ایران، عراق اور شام کی تمام فتوحات میں آپ نے زبردست خدمات انجام دیں۔

آپ شام کی لڑائی میں اسلامی فوجوں کے سپہ سالار تھے

اور حضرت ابو عبیدہ آپ کے نائب تھے۔ رومیوں سے زبردست معرکہ ہورہا تھا۔ فتح قریب تھی۔ اتنے میں ایک قاصد مدینہ سے ایک خط لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اسے لے کر پڑھا۔ حضرت عمر کا خط تھا۔ لکھا تھا" امیر المومنین حضرت ابو بکر کا انتقال ہوگیا۔ اب میں خلیفہ ہوں، اور تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اسلامی لشکر کی کمان ابو عبیدہ کے سپرد کردو اور اُن کی مدد کرو۔"

اصل میں آپ بڑے آزاد طبیعت شخص تھے۔ مزاج میں سختی اور تیزی تھی۔ جو جی میں آتا تھا وہ کرتے تھے۔ اپنی مرضی سے حج کے لئے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے اور جس بات میں جی چاہتا اس میں روپیہ خرچ کر دیتے۔ حضرت عمر نہایت ہی احتیاط پسند اور پابند قواعد خلیفہ تھے۔ آپ کو حضرت خالد کی یہ باتیں ناپسند تھیں، اسی لئے ان کو لشکر کی کمان سے معزولی کا حکم دیا تھا۔

لیکن حضرت خالد نے جس طرح اس حکم پر عمل کیا وہ بھی آپ اپنی مثال ہے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو شاید غصہ سے بے قابو

ہو جاتا اور کہتا کہ میری محنت اور جاں نثاری کا یہی انعام ہے۔
لیکن آپ چپ چاپ اس خط کو لے کر حضرت ابو عبیدہ کے
پاس گئے اور فرمایا کہ "مجھے امیرالمومنین کا حکم بہ سروچشم منظور
ہے۔ آج سے آپ میرے سردار ہیں اور آپ جس طرح
فرمائیں اس طرح خدمت انجام دینے کو تیار ہوں"

چنانچہ آپ پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے لڑتے
اور حضرت ابو عبیدہ کی ہر طرح مدد کرتے رہے۔ کسی نے
آپ سے پوچھا "حضرت عمر نے تو آپ کو معزول کر دیا، اب
آپ کیوں اتنی محنت اور کوشش کرتے ہیں؟"

آپ مسکرائے اور فرمایا "میں عمر کے لئے نہیں لڑتا۔ بلکہ اللہ
کے لئے لڑتا ہوں۔ پھر اتنی محنت اور کوشش کیوں نہ کروں؟"

سچے قومی کام کرنے والے عہدوں یا انعاموں کا لالچ نہیں
کرتے۔ اُن کے اس ایثار سے ہی قوم ترقی کر سکتی ہے۔

سوالات

۱۔ سیف اللہ کس کا خطاب ہے اور انھیں کیوں دیا گیا؟

۲۔ حضرت عمر نے حضرت خالد کو کیوں معزول کیا؟

۳۔ حضرت خالد نے آپ کے حکم پر کس طرح عمل کیا؟

۴۔ ”میں عمر کے لئے نہیں لڑتا بلکہ اللہ کے لئے لڑتا ہوں“ اس سے آپ کا کیا مطلب تھا۔

۲۲- آزادی کا حق

اسلامی سورماؤں میں حضرت عمرو بن عاص کا نام ہمیشہ عزت سے لیا جائے گا۔ مصر کی فتح کا سہرا آپ کے ہی سر ہے۔ یہاں رومیوں کی حکومت تھی۔ آپ نے ان کو پے در پے کئی لڑائیوں میں اور آخر کار اسکندریہ کی زبردست لڑائی میں شکست دے کر مصر میں ہمیشہ کے لئے اسلامی پرچم کو لہرا دیا۔ آپ کی فتوحات سے خلیفہ حضرت عمر اتنے خوش ہوئے کہ آپ ہی کو مصر کا حاکم مقرر کر دیا۔

آپ نے مصر پر بڑی اچھی طرح حکومت کی، اور لوگوں کے ساتھ نرمی اور انصاف کا برتاؤ کیا۔ لیکن آپ کا ایک لڑکا بہت مغرور تھا۔ وہ کہیں جاتا تو اکڑتا پھرتا اور لوگوں پر رعب ڈالتا کہ میں حاکم وقت کا لڑکا ہوں۔ وہ ایک دن ایک مصری سے بگڑ گیا اور اس کو اپنے کوڑے سے مارا۔ وہ بے چارہ غریب آدمی تھا، کسی سے شکایت کرنے کی اس کی ہمت نہ ہوئی

اور یوں ہی چپ ہوکر رہ گیا ۔

کچھ عرصہ کے بعد وہ مصری اتفاقاً ایک مرتبہ مدینہ آیا جو خلیفہ حضرت عمر کا دارالخلافہ تھا ۔ یہاں اُس نے آپ کی دین داری اور انصاف کا چرچا سُنا تو اس کے دل میں اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا خیال پیدا ہوگیا ۔ چنانچہ ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی شکایت بیان کی ۔

خلیفہ حضرت عمر نے فوراً قصور وار کو مدینہ حاضر ہونے کا حکم دیا ، اور جب وہ حاضر ہوگیا تو اس سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ۔

آخر معلوم ہوا کہ وہ واقعی قصور وار ہے ۔ چنانچہ آپ نے اس مصری کو بلوایا اور فرمایا کہ " جتنے کوڑے اس نے تمہارے مارے تھے اتنے ہی اب تم اس کے مارلو ۔"

حکم کی تعمیل کی گئی ۔ اس کے بعد حضرت عمر نے ان لوگوں کی طرف دیکھا جو آپ کے پاس حاضر تھے اور فرمایا کہ " لوگ اپنے حاکم کے غلام نہیں ہوتے ۔ وہ اپنی ماؤں سے آزاد پیدا ہوتے

ہیں تو پھر انہیں کوئی غلام کیسے بنا سکتا ہے؟"

اسلام نے حاکم اور عام آدمی سب کو برابر حقوق دئے ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی زیادتی یا ظلم کرنے کا حق نہیں۔

سوالات

۱۔ فاتح مصر کون تھا؟ ان کا انتظام حکومت کے بارے میں لکھو۔

۲۔ عمرو بن عاص کا لڑکا کیسا آدمی تھا؟ اور اس نے کیا قصور کیا تھا؟

۳۔ خلیفہ حضرت عمر نے اسے کیا سزا دی۔

۴۔ لوگ حاکم کے غلام کیوں نہیں ہو سکتے؟

۲۳۔ مسلمان کا وطن

حضرت علیؓ کے بعد امیر معاویہ نے جس خاندان کی بنیاد رکھی وہ بنو امیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں بہت سے خلیفہ ہوئے جو دارالخلافہ دمشق میں رہا کرتے تھے۔ انہی میں سے ایک ہجرت رسول اللہ سے تقریباً نوّے سال بعد خلیفہ ولید بن عبد الملک تھے۔ جن کے زمانہ میں اسلامی فوجوں نے زبردست فتوحات حاصل کیں۔

ولید بن عبد الملک کا ایک سپہ سالار طارق بن زیاد تھا جو اسلامی فاتحین میں بے حد مشہور ہے۔

طارق افریقہ کا رہنے والا اور بہادری، ہمت اور جواں مردی میں بے مثال تھا۔ جب شمال مغربی افریقہ فتح کر چکا تو خلیفہ ولید بن عبد الملک سے اجازت لے کر یورپ پر فوج کشی کا بیڑا اٹھایا بیچ میں سمندر پڑتا تھا، لیکن اس نے اس کا خیال نہ کیا۔ اندلس یا اسپین قریب تھا۔ ایک زبردست لشکر تیار کر کے اس کو کشتیوں

میں سوار کرایا اور اسی کا رخ کیا۔ چنانچہ اسلامی لشکر کی کشتیاں سمندر کی موجوں کو چیرتی ہوئی جلد ہی اندلس کے دلکش و نظر فریب ساحل پر پہنچ گئیں۔

اندلس کی وہ مشرقی ساحلی چٹان جس پر سب سے پہلے مجاہدین اسلام نے قدم رکھا آج تک جبل الطارق یا جبرالٹر کے نام سے مشہور ہے۔

ساحل اندلس پر اترے ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ ایک روز طارق نے حکم دیا کہ تمام جہازوں کو آگ لگا دی جائے۔ اس کے سردار اور سپاہی یہ حکم سُن کے بہت حیران ہوئے۔ کہنے لگے اس میں آخر کیا مصلحت ہے؟ یہ غیر ملک ہے اور ہمارے وطنوں سے دور ہے۔ اگر جہاز جلا دئے گئے تو سب لوگ اپنے اپنے وطن کیسے واپس جائیں گے؟"

یہ سُن کر نوجوان طارق مسکرایا اور اپنا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر رکھ کر کہا "اگر افریقہ ہمارا وطن ہے تو یورپ بھی ہمارا وطن ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ساری زمین اللہ کی ہے۔ اس لئے اس کا

ہر حصہ ہمارا ملک اور وطن ہے۔ ہم اس ملک کو فتح کر کے اس میں اللہ کی بادشاہی قائم کریں گے، پھر بھی ہمارا وطن ہو جائے گا۔"

طارق کی یہ بات سن کر اسلامی فوج میں ایسا جوش آیا کہ اس نے اسپین کے بادشاہ رَدڈرگ کی فوجوں کو شکست دینے اور ملک کو فتح کرنے کے بعد ہی دم لیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسپین میں آٹھ سو سال بڑی شان سے حکومت کی۔

مسلمان کا وطن ساری دنیا ہے۔ پرانے وطنوں سے نکل کر نئے نئے وطن تلاش کرنا اس کا کام ہے۔ اسی طرح اس نے ترقی کی ہے۔

سوالات

۱۔ طارق کون تھا، کہاں کا رہنے والا تھا اور اسے کتنا زمانہ ہوا؟

۲۔ طارق کا سب سے بڑا کارنامہ کیا ہے؟

۳۔ اس نے اسپین کس طرح فتح کیا؟

۴۔ اس نے اپنے فوجیوں کی ہمت کیسے بڑھائی؟

۴۲۔ غیروں سے برتاؤ

جس زمانہ میں طارق نے یورپ میں اسلامی پرچم لہرایا اسی زمانہ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے ایک اور سپہ سالار محمد بن قاسم نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس سترہ سالہ نوجوانِ عرب کا صرف چند ہزار سپاہیوں کی مدد سے اس دور دراز علاقہ پر فوج کشی کر کے سارے سندھ پر قبضہ کر لینا تاریخ کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

اس وقت سندھ کا راجہ داہر تھا۔ محمد بن قاسم نے اس کی فوجوں کو کئی جگہ شکست دی اور آخر کار خود راجا داہر ایک لڑائی میں مارا گیا جس کے بعد مسلمانوں نے اس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور اس شاندار حکومت کی بنیاد رکھی جو کئی سو سال تک قائم رہی۔

یہ ہندوستان میں پہلی اسلامی حکومت تھی۔ یہاں کے پرانے باشندے بودھ اور ہندو تھے۔ ان سب کو ڈر معلوم ہوا کہ یہ

مسلمان نہ معلوم ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں ۔ چنانچہ ایک روز برہمن آباد کے بہت سے پجاری محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مندروں کی مرمت کرنے اور ان میں پوجا کرنے کی اجازت مانگی ۔

محمد بن قاسم عراق کے حاکم حجاج بن یوسف کا ماتحت تھا چنانچہ اس نے حجاج کو خط لکھا کہ اس معاملے میں آپ کا کیا حکم ہے ۔

حجاج نے جواب دیا کہ " ان لوگوں نے جب خلیفہ کی اطاعت قبول کرلی ہے اور سرکاری محصول دینے کا وعدہ کرلیا ہے تو ہم ان سے کوئی اور مطالبہ نہیں کرسکتے وہ اب ہماری حفاظت میں آگئے اور ان کے جان اور مال سب محفوظ ہوگئے ۔ انھیں اپنے دیوتاؤں کے پوجنے کی پوری اجازت ہے ۔ انھیں اپنے مذہب پر چلنے سے نہ روکا جائے اور وہ جس طرح چاہیں اپنے مکانوں میں رہ سکتے ہیں ۔ "

محمد بن قاسم نے ہندوؤں کو یہ حکم سنادیا اور اپنی فوجوں

کو ہدایت کردی کہ "یہ ملک تمہارا نہیں دوسروں کا ہے، لیکن دیکھو جدھر جانا یہ سمجھ کر جانا کہ یہ تمہارا اپنا ملک ہے اور جو لوگ یہاں رہتے ہیں وہ تمہارے بھائی ہیں۔ کسی بستی کو نہ جلانا، کسی بوڑھے، بچے اور عورت پر ظلم نہ کرنا اور کسی سبزے کو آگ نہ لگانا۔"

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے جان، مال اور مذہب سب محفوظ ہیں۔ اسی سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے جگہ ہوتی ہے اور وہ اسلام قبول کرتے ہیں۔

سوالات

۱۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے ہندوستان کا کون سا حصہ فتح کیا؟ ان کا سردار کون تھا؟

۲۔ برہمن آباد کے ہندوؤں نے محمد بن قاسم سے کیا درخواست کی تھی؟

۳۔ حجاج بن یوسف نے اس کا کیا جواب دیا؟

۴۔ محمد بن قاسم نے اپنی فوجوں کو کیا ہدایت کی تھی؟ اس سے اس کے بارے میں تمہیں کیا بات معلوم ہوتی ہے؟

۲۵۔ نیا خلیفہ

دمشق کی جامع مسجد میں ہزاروں مسلمان جمع تھے۔ شہزادے وزیر، سپہ سالار، امیر اور شیخ سب ہی موجود تھے۔ سنسنی سی پھیلی ہوئی تھی۔ خلیفہ سلیمان کا ایک روز پہلے انتقال ہو چکا تھا اور انھوں نے اپنی وصیت ایک مہر بند لفافے میں لکھ کر چھوڑی تھی۔ یہ سب لوگ اسی لفافے کے کھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

آخر ایک سردار نے لفافہ کھولا اور خلیفہ سلیمان کی تحریر پڑھنے کے بعد اعلان کیا کہ خلیفہ مرحوم نے عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز اس سے پہلے کئی ممتاز عہدوں پر رہ چکے تھے اور بے حد مقبول تھے۔ سب کے سب آپ کا نام سُن کر بہت خوش ہوئے اور آپ کو مبارک باد دینی شروع کر دی۔ لیکن آپ چپ چاپ بیٹھے رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ "دوستو، خلیفہ چنا جاتا ہے"

مقرر نہیں کیا جاتا۔"

لوگوں نے کہا "ہم سب آپ کو اپنا خلیفہ چنتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا "لیکن میں اس ذمہ داری اور اعلیٰ مرتبے کے لایق نہیں۔ یہاں بہت سے لایق آدمی موجود ہیں، آپ ان میں سے کسی کو چن لیجیے۔

سب نے کہا "آپ ہی سب سے زیادہ لائق ہیں، آپ یہ ذمہ داری نہیں اُٹھائیں گے تو اور کون اٹھائے گا۔"

آخر آپ مجبور ہو گئے تو فرمایا "اچھا، جیسے آپ سب کی مرضی، لیکن آپ کو مجھ سے یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ اگر میں صحیح راستہ پر چلوں تو آپ میری مدد کریں گے لیکن اگر مجھ سے غلطی ہو جائے تو فوراً ٹوک دیں گے۔"

سب نے خوش ہو کر کہا "ہمیں منظور ہے۔" چنانچہ اسی وقت اعلان کر دیا گیا کہ آج سے عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہیں۔

وزیر نے عرض کیا کہ اب محل تشریف لے چلیے۔ آپ وہاں پہنچے تو بارہ ہزار سپاہیوں نے آپ کو سلامی دی۔ آپ

نے وزیر کی طرف دیکھا۔ اس نے عرض کیا "یہ آپ کی حفاظت کے لئے ہیں۔" آپ نے فرمایا "جب تک لوگوں کو مجھ سے محبت ہے۔ مجھے کسی کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ ان سب سپاہیوں کو ملک کے ان دور دراز علاقوں میں بھیج دو جہاں لوگوں کی حفاظت کا مناسب انتظام نہیں ہے۔"

خلیفہ نے محل میں قدم رکھا تو آٹھ سو غلاموں اور لونڈیوں نے حاضر ہو کر سلام کیا اور ادب سے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے وزیر کی طرف دیکھا۔ اس نے عرض کیا "جہاں پناہ، یہ آپ کی خدمت کے لئے ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "میں اور میری بیوی اپنا کام خود کر لیتے ہیں۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں" پھر ان میں سے صرف چند کو روک کے فرمایا کہ "ان سب کو آزاد کر دو۔ ان کا جہاں جی چاہے وہاں جائیں۔"

اچھے حاکم اپنی قوت اور اپنے اختیارات کو اپنے عیش و آرام کے لئے نہیں بلکہ عوام کے آرام اور فائدے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

سوالات

۱۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے انتخاب کا واقعہ بیان کرو۔

۲۔ اس واقعہ سے عمر بن عبد العزیز کی کن خوبیوں کا پتہ لگتا ہے؟

۳۔ اسلام نے قوم کا سردار مقرر کرنے کا کون سا طریقہ بتایا ہے؟

۲۶- دیانت داری

خلیفہ عمر بن عبد العزیز کی نیک دلی، پارسائی اور دیانت داری مشہور ہے آپ کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ایک مرتبہ پھر صحابہ کی یاد تازہ ہو گئی، کیونکہ آپ نے ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر چلنے اور خلفائے راشدہ کے اصولوں پر حکومت کرنے کی کوشش کی۔

آپ شاہی خزانہ کو رعایا کا مال سمجھ کر کبھی ایک کوڑی بھی اس میں سے نہ لیتے تھے۔ دیانت داری کا اتنا اہتمام تھا کہ کبھی کسی سے تحفہ تک بھی قبول نہیں کیا۔

ایک مرتبہ ایک محفل میں آپ نے اتفاقاً یہ کہہ دیا کہ مجھے سیب بہت پسند ہیں۔ یہ سُن کر آپ کے ایک سردار نے آپ کے پاس کچھ سیب تحفہ کے طور پر بھیج دئے آپ نے ایک سیب اٹھایا اور کہا "واقعی بہت عمدہ سیب ہیں۔ ان کا رنگ کتنا خوشنما اور خوشبو کتنی پیاری ہے۔" پھر جو غلام لے کر آیا تھا اس سے فرمایا کہ "ان کو اپنے آقا کے پاس لے جاؤ۔ ان سے ہمارا اسلام کہنا اور کہنا کہ ہم ان کے تحفہ بھیجنے سے بہت خوش ہیں

آپ کے پاس اس وقت ایک دوست موجود تھے۔ انھوں نے پوچھا "امیرالمومنین آپ نے یہ سیب کیوں واپس کردئے۔ یہ تو آپ کے اپنے ہی خاندان والے اور آپ کے چچا زاد بھائی نے بھیجے تھے، ان کو لینے میں کیا ہرج تھا۔ میں نے سنا ہے خود رسول اللہ بھی اس قسم کے تحفوں کو واپس نہیں کرتے تھے۔"

آپ نے فرمایا "اصل میں بات یہ ہے کہ لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی چیز دیتے تھے تو وہ ان کو رسول اللہ سمجھ کر دیتے تھے اور وہ چیز واقعی تحفہ ہوتی تھی، لیکن اب آج کل ہمیں کوئی چیز دیتے ہیں تو وہ تحفہ نہیں بلکہ رشوت ہوتی ہے۔

دیانت دار حاکم ہر اس چیز سے بچتے ہیں جس میں بد دیانتی کا ذرا سا بھی شبہ ہو۔

سوالات

۱۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کیوں مشہور ہیں؟

۲۔ آپ کی دیانت داری کا کوئی واقعہ بتاؤ؟

۳۔ تحفہ اور رشوت میں کیا فرق ہے؟

۲۷- علم کا خزانہ

دنیا انقلاب کی جگہ ہے۔ طاقت و حکومت کبھی کسی کے ہاتھ میں ہے کبھی کسی کے ہاتھ میں حضرت علیؓ کے بعد بنی امیہ نے اپنی بادشاہت دمشق میں قائم کی۔ تقریباً سو سال تک یہ مقام اسلامی حکومت کا مرکز بنا رہا۔ اس کے بعد خاندان عباسیہ کا عروج ہوا اور انھوں نے بغداد کو اپنا دار الخلافہ بنایا خلیفہ ہارون رشید اسی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔

مغرب میں رومیوں کی زبردست سلطنت تھی۔ لیکن وہ چونکہ مسلمانوں سے شکست کھا چکے تھے اس لئے خلیفہ کو خراج ادا کیا کرتے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید کے وقت میں جب نسی فورس تخت پر بیٹھا تو اس نے یہ خراج ادا کرنا بند کر دیا اور لکھا کہ "مجھ سے پہلے اس تخت پر ایک ملکہ فرماں روائی کرتی تھی جو تمھیں بے شمار دولت بہ طور خراج دے چکی ہے۔ یہ اس کی کمزوری اور حماقت تھی۔ اب میں بادشاہ ہوں اور اس قسم کی بات برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے تم اب تک جتنی رقم لے چکے ہو وہ سب فوراً واپس کرو نہیں تو تلوار میرا اور تمہارا فیصلہ کرے گی۔"

خلیفہ ہارون رشید نے اس خط کو پڑھا اور مسکرایا۔ اس کے بعد اس کی پشت پر لکھ دیا کہ "میں نے تمہارا خط پڑھا۔ اس کا جواب سُن کر کیا کرو گے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔"

چنانچہ خلیفہ نے اسی روز اپنی فوج کو تیار کیا اور ِنسی فورس کے خط کا جواب دینے کے لئے روانہ ہوگیا۔ آخر ہرقلبہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ وہ اسلامی سورماؤں کے سامنے کیا جمتا۔ بری طرح شکست کھائی اور پہلے سے بھی زیادہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔

خلیفہ ہارون رشید نے کہا "میں نے تمہاری سلطنت کے بہت بڑے حصہ کو فتح کرلیا ہے۔ میں چاہوں تو اس پر قبضہ کرسکتا ہوں۔ لیکن میں یہ تمھیں بہ خوشی واپس کرتا ہوں۔ صرف میری خوشی کی ایک بات تمھیں کرنی ہوگی۔ مجھے معلوم ہوا ہے تمہارے ملک میں علم وحکمت اور سائنس کی بہت سی لاجواب کتابیں موجود ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے ان میں سے ہر ایک کا ایک نسخہ دے دو۔" نسی فورس راضی ہوگیا اور کتابیں مہیا کرنے کا وعدہ کرلیا۔

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے عالموں کی ایک جماعت نسی فورس

کی سلطنت میں بھیج کر جہاں جہاں عمدہ کتابیں مل سکیں سب منگوالیں۔ ان میں سقراط، افلاطون، ارسطو، جالینوس، تمام حکمائے یونان کی کتابیں شامل تھیں۔ مسلمانوں نے ان سب کو قرینے سے اپنی لائبریریوں میں لگایا اور ان کا مطالعہ کیا۔

کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ اور ایتھنز کی لائبریریوں میں ابھی اور بہت سی نادر کتابیں موجود ہیں۔ اس وقت ہارون رشید کا انتقال ہوچکا تھا۔ چنانچہ اس کے لڑکے خلیفہ مامون رشید نے ان کتابوں کی نقلیں منگواکر اپنے عالموں کو دیں اور چند ہی سال میں ان کا عربی ترجمہ کراکے مسلمانوں میں علم کی ایک نئی روشنی پھیلا دی۔

علم مسلمانوں کی کھوئی ہوئی پونجی ہے وہ سلطنت سے زیادہ کتابوں کی قدر کرتے ہیں اور جگہ جگہ سے علم کے خزانے ڈھونڈھ کر لاتے ہیں۔

سوالات

۱۔ ہارون رشید کون تھا اور وہ کس لئے مشہور ہے؟

۲۔ نسی نورس سے اس کی کیوں لڑائی ہوئی؟

۳۔ اس نے سلطنت کے بدلے کیا مانگا اور کیوں؟

۴۸۔ بڑھیا کی زمین

نویں صدی عیسوی کے شروع میں اسلامی اسپین میں خلیفہ حکم کی حکومت تھی، جو ایک خدا ترس اور نیک بادشاہ تھا لیکن شان و شوکت سے رہنے کا شوقین تھا۔

ایک مرتبہ وہ ایک محل بنوا رہا تھا جتنی زمین کی اسے ضرورت تھی اس کا کچھ حصہ ایک غریب بڑھیا کے پاس تھا۔ اس نے سوچا کہ لاؤ یہ زمین بڑھیا سے خرید لیں۔ چنانچہ اس کے خیال میں اس کی جو مناسب قیمت ہو سکتی تھی وہ اس نے بڑھیا کے پاس بھیج دی اور کہلا کر بھیجا کہ اپنی زمین مجھے دے دو۔

بڑھیا کو نہ معلوم کیا خیال ہوا۔ اس نے بادشاہ کو اپنی زمین دینے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے کہا "اچھا دوگنی قیمت لے لو۔" لیکن وہ پھر بھی راضی نہ ہوئی۔

آخر بادشاہ کو غصہ آگیا اور اس نے زبردستی بڑھیا کو وہاں سے نکال کر اس کی جھونپڑی وغیرہ سب گرا دی۔ چند ہی روز میں وہاں ایک عالیشان

محل اور ایک خوب صورت باغ تیار ہو گیا۔

لیکن وہ بڑھیا ابھی چین سے نہ بیٹھی تھی۔ وہ قاضی کے پاس گئی اور بادشاہ کے خلاف اپنا دعویٰ پیش کیا۔ قاضی صاحب نے کہا "اچھا مجھے کچھ دن کی مہلت دو، میں تمہارا معاملہ اللہ نے چاہا تو ٹھیک کرا دوں گا۔"

بادشاہ کو اپنا نیا محل بہت پسند تھا۔ وہ اپنے سرداروں اور رئیسوں کو بلا کر اس کی سیر کراتا اور خوش ہوتا۔ ایک روز قاضی صاحب کو بھی بلایا کہ آکر ہمارا نیا محل دیکھو۔

قاضی صاحب ٹھیک وقت پر محل شاہی میں پہنچ گئے لیکن آپ اکیلے نہ تھے۔ آپ کے ساتھ ایک گدھا بھی تھا جس پر کئی خالی بوریاں پڑی تھیں

اس گدھے کو دیکھ کر بادشاہ بہت حیران ہوا اور پوچھا کہ "یہ گدھا کس لئے ساتھ ہے۔" قاضی صاحب نے کہا "اگر حضور اجازت دیں تو یہاں سے شاہی باغ کی مٹی کے کچھ بورے بھر کر لے جانا چاہتا ہوں۔"

بادشاہ کو یہ عجیب بات سن کر بہت ہنسی آئی اور بہ خوشی اس کی اجازت دے دی۔ آخر جب قاضی صاحب اپنے بوروں میں مٹی بھر چکے تو عرض کیا کہ "حضور اب انہیں لدوا بھی دیں تو بڑی عنایت ہو۔"

بادشاہ کو قاضی صاحب کی اس بات پر اور بھی ہنسی آئی اور وہ ایک بورا اٹھا کر گدھے پہ لادنے لگا۔ لیکن یہ کام اس کے بس کا کیسے ہو سکتا تھا۔ ایک بورا بھی نہ اٹھا سکا۔

قاضی صاحب نے کہا "اگر آپ یہاں مٹی کا ایک بورا بھی نہیں اٹھا سکتے تو قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ آپ سے فرمائے گا کہ چونکہ تم نے بڑھیا سے ناجائز طور پر زمین لے لی ہے اس لئے اپنا محل اور باغ سب اس کے حوالے کرو، تو آپ اتنی بڑی زمین اسے کس طرح اٹھا کر دیجئے گا؟"

بادشاہ کو یہ سن کر بہت شرمندگی ہوئی اور اس نے فوراً اس بڑھیا کو بلا کر اس سے کہا کہ "مائی میں نے تمہیں بہت تکلیف دی، مجھے معاف کردو۔ آج سے یہ محل اور باغ تمہارا ہے۔"

اللہ سے ڈرنے والے جب اُن کو اپنی غلطی معلوم ہو جائے تو فوراً اس کی تلافی کرتے ہیں۔

سوالات

۱۔ حکم کہاں کا بادشاہ تھا؟ اس ملک کو سب سے پہلے کس مسلمان نے فتح کیا تھا؟
۲۔ حکم اور بڑھیا کا واقعہ سناؤ۔
۳۔ بادشاہ کو اپنی غلطی کس طرح معلوم ہوئی؟ اس نے اس کی تلافی کیسے کی؟

۲۹۔ خلیفہ کا دسترخوان

خلفائے عباسیہ عام طور پر بڑی شان و شوکت کے بادشاہ تھے ان کے عیش و عشرت کی داستانیں آج تک مشہور ہیں۔ لیکن انہی میں وہ حکمران بھی تھے جن کی زندگیاں پرہیزگاری اور خدا ترسی کا نمونہ تھیں۔ خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں خلیفہ اور امرا سب کے سب شاہانہ کروفر سے رہتے تھے۔ شاندار عمارتوں، قیمتی لباس اور پرتکلف دعوتوں کا زور تھا۔ لیکن اس کے تقریباً ساٹھ برس بعد جب خلیفہ ابو اسحاق المہتدی نے تخت خلافت پر قدم رکھا تو یہ تمام نقشہ بدل گیا اور اس کی جگہ سادگی اور بے تکلفی نے لے لی۔

خلیفہ المہتدی نہایت ہی عادل اور منصف مزاج حکمران تھا۔ اس کی اپنی ایک خاص عدالت تھی اور وہ اس میں روزانہ خود عوام کی داد رسی کیا کرتا تھا۔ فقیروں کی طرح زندگی گزارتا اور کبھی کسی عیش و آرام کا خیال تک دل میں نہ لاتا۔

رمضان کا مہینہ تھا۔ ایک روز شام کے وقت ایک امیر ابوالعباس

بن ہاشم اس کے پاس حاضر ہوا۔ وہ موجود ہی تھا کہ اتنے میں افطار کا وقت آگیا۔ اس نے ابو العباس سے کہا کہ اب افطار کر کے جانا چنانچہ وہ رک گیا اور افطار کا انتظار کرنے لگا۔

اذان ہوئی تو دونوں نے نماز پڑھی۔ پھر کھانا کھانے کے لئے بیٹھے۔ ابوالعباس نے دیکھا کہ دسترخوان پر صرف دو روٹیاں، تھوڑا سا سرکہ اور ذرا سا زیتون کا تیل موجود ہے۔ اس نے سوچا کہ ابھی شاید اور کچھ آئے اس لئے آہستہ آہستہ کھانا شروع کیا۔

خلیفہ نے پوچھا "کیوں اچھی طرح کیوں نہیں کھاتے؟ کیا روزہ نہیں تھا؟"

ابوالعباس نے جواب دیا "روزہ تو تھا۔"

خلیفہ نے پوچھا "تو کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ نہیں ہے؟"

اس نے جواب دیا "رمضان کا مہینہ ہے، روزہ کیوں نہ رکھوں گا۔"

خلیفہ اصل بات سمجھ گیا۔ کہا "تو پھر کھاتے کیوں نہیں۔ یہاں تو جو کچھ تمہارے سامنے موجود ہے بس یہی ملے گا، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں آئے گا۔"

ابوالعباس کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ اتنی عظیم الشان سلطنت کے بادشاہ کا دسترخوان اور اس پر اتنا معمولی کھانا۔ کہا "امیرالمومنین آپ کیسی بات فرماتے ہیں، آپ کو تو اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے۔"

خلیفہ نے کہا "یہ سچ ہے، اور میں اللہ کا بہت شکر ادا کرتا ہوں لیکن سلطنت کا خزانہ اصل میں رعایا کا مال ہے اور رعایا کی بہبودی کے لئے خرچ ہونا چاہیئے، نہ کہ خلیفہ کے عیش و عشرت پر۔"

اللہ سے ڈرنے والے حاکم اپنی زندگیاں نہایت احتیاط اور سادگی سے گزارتے ہیں۔

سوالات

۱۔ عباسی خاندان کے کن بادشاہوں کو تم جانتے ہو؟ وہ کیسی زندگی گزارتے تھے؟

۲۔ خلیفہ المہتدی کی کیا خصوصیت تھی؟ اس کے متعلق کوئی واقعہ سناؤ۔

۳۔ خلیفہ المہتدی کہاں کا بادشاہ تھا اور اس کو کتنا زمانہ ہوا؟

۳۰۔ دشمن سے سلوک

بارھویں صدی کے آخر میں دمشق میں سلطان صلاح الدین کی حکومت تھی۔ اس کا شمار دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں اور فاتحوں میں ہوتا ہے اور اس کے شاندار کارنامے نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ یورپ میں بھی آج تک مشہور ہیں۔

سلطان کی حکومت میں بیت المقدس بھی شامل تھا جو مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں کا بھی متبرک مقام ہے۔ یورپ کے عیسائی بادشاہ اس کو مسلمانوں سے جیت کر واپس لینا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ سلطان کے خلاف بڑی بڑی فوجیں بھیجتے اور اکثر خود بھی لڑنے کے لئے آتے لیکن اس شیر دل بہادر نے ان سب کو شکست دی اور بیت المقدس پر ان کا قبضہ نہ ہونے دیا۔

ایک مرتبہ انگلستان کے بادشاہ رچرڈ نے بڑی زبردست فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی لیکن رچرڈ کی ایک نہ چلی۔ جب لڑائی کا زور شور بڑھا تو اتفاقاً رچرڈ کا گھوڑا مارا گیا۔ فوراً ہی ایک

ترک سوار دوڑتا ہوا آیا اور اس کے سامنے ایک عمدہ گھوڑا پیش کر کے کہا کہ "سلطان نے آپ کے لئے یہ گھوڑا بھیجا ہے اور کہا ہے کہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ جیسا زبردست بادشاہ پیدل لڑائی لڑے۔"

رچرڈ نے گھوڑا لے لیا اور لڑائی لڑتا رہا۔ لیکن کئی روز تک کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر کار سلطان نے مصر، شام اور عراق سے مدد منگائی اور اب مسلمانوں کی فتح یقینی ہو گئی۔

لیکن اتنے میں خبر آئی کہ رچرڈ بیمار ہو گیا ہے اور لڑائی میں شریک ہونے سے معذور ہے۔ شریف مزاج سلطان کا دل یہ سن کر پسیج گیا اور اس نے اعلان کیا کہ جب تک رچرڈ اچھا نہ ہو جائے۔ لڑائی بند رہے گی۔ رچرڈ کو ٹھنڈک اور فرحت پہنچانے والی چیزوں کی ضرورت تھی۔ سلطان نے حکم دیا کہ اس کے لئے روزانہ تازے پھل بھیجے جائیں۔

اسی طرح کافی دن گزر گئے لیکن شاہ رچرڈ کی طبیعت ٹھیک نہ ہوئی۔ آخر مجبور ہو کر اس نے تین سال کی صلح کا پیغام بھیجا۔ سلطان

نے بغیر کچھ کہے سنے اسے منظور کر لیا اور رچرڈ کو سلامتی کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دے دی۔

شاہ رچرڈ جب چلنے لگا تو کہلا کر بھیجا کہ "تین سال کے بعد میں پھر اپنی فوجیں لے کر آؤں گا اور بیت المقدس فتح کروں گا۔" ہمت ور سلطان نے جواب دیا کہ "ضرور آنا، میں تمہارے خیر مقدم کے لئے تیار رہوں گا۔"

بہادر، نیک اور خدا ترس لوگ اپنے دشمنوں سے بھی شرافت اور انسانیت کا برتاؤ کرتے ہیں۔

سوالات

۱۔ سلطان صلاح الدین کہاں کا بادشاہ تھا؟ وہ کیوں مشہور ہے؟

۲۔ صلاح الدین اور رچرڈ کی لڑائی کا حال بیان کرو۔

۳۔ صلاح الدین نے رچرڈ کے ساتھ اچھا سلوک کیوں کیا؟ اس سے تمہیں صلاح الدین کے بارے میں کیا معلوم ہوتا ہے۔

۳۱- فتح و شکست

جس زمانہ میں سلطان صلاح الدین یورپ کے عیسائی بادشاہوں سے لڑائیوں میں مصروف تھا اسی زمانہ میں افغانستان میں سلطان شہاب الدین غوری نے شہرت حاصل کی۔

غوری بادشاہ پہلے سلطان محمود غزنوی اور اس کے خاندان کے ماتحت تھے۔ اس لئے انہوں نے سب سے پہلے غزنی کی ہی حکومت کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ آخر جب شہاب الدین اس سلطنت کو ختم کر چکا تو اس نے ہندوستان کا رُخ کیا اور دہلی کے زبردست راجہ پرتھوی راج پر حملہ کیا۔ لیکن راجپوت سپاہیوں نے ایسی بہادری سے لڑائی لڑی کہ سلطان کی فوج کو شکست ہوگئی اور اسے بھاگ کر اپنے وطن واپس آنا پڑا۔

سلطان کو اس شکست کا بہت رنج ہوا اور اس نے تہیہ کرلیا کہ اگلے سال پھر ہندوستان پر حملہ کروں گا۔ چنانچہ خوب تیاریاں کرنے بعد وہ دوسرے سال پھر اپنے لشکر کو لے کر روانہ ہوا۔ لیکن

لیکن کسی کو یہ نہ بتایا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔

وہ جب پشاور پہنچا تو وہاں غور کا ایک بوڑھا آدمی ملا، اس نے پوچھا کدھر کا ارادہ ہے؟

سلطان نے جواب دیا" اے نیک بخت کیا بتاؤں میں کہاں جا رہا ہوں۔ جب سے میں نے ہندوستان کے راجاؤں سے شکست کھائی ہے مجھے ایک لمحہ چین نہیں۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہو کر شکست کھانا گناہ سمجھتا ہوں۔ مجھے ہر وقت فکر رہتی ہے کہ کسی طرح اپنی اس بے عزتی کا دھبہ دھو ڈالوں۔ اسی لئے میں نے تمام عیش و آرام چھوڑ رکھا ہے اور قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک ان راجاؤں سے بدلہ نہ لے لوں گا آرام سے نہ بیٹھوں گا"۔

فوج کو بادشاہ کا ارادہ معلوم ہوا تو سب نے عہد کر لیا کہ جان توڑ کر لڑیں گے اور جس طرح بھی ہو فتح حاصل کر کے رہیں گے۔

آخر دہلی سے چالیس میل دور پانی پت کے میدان میں زبردست لڑائی ہوئی۔ بہادر راجپوتوں نے شمشیر زنی کے خوب جوہر دکھلائے لیکن افغانی تلوار کے آگے کچھ نہ کر سکے۔ خود راجہ پرتھوی راج تک مارا گیا میدان

شہاب الدین کے ہاتھ رہا اور اس نے دہلی میں مسلمانوں کی حکومت قائم کر دی۔

مسلمان دنیا میں بڑے بڑے کام شروع کرنا اور انہیں انجام تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ پریشانیاں اور ناکامیاں اس کو اپنے مقصد سے نہیں ہٹا سکتیں۔

سوالات

۱۔ سلطان شہاب الدین کس خاندان کا اور کہاں کا بادشاہ تھا؟

۲۔ پرتھوی راج سے اس کی کے مرتبہ لڑائی ہوئی؟

۳۔ پہلی لڑائی کا کیا نتیجہ ہوا اور اس کا سلطان پر کیا اثر ہوا؟

۴۔ دوسری لڑائی میں محمد غوری کن وجوہات کی بنا پر جیت گیا؟

۳۲۔ شرافت یا دولت

سلطان محمد غوری پہلا مسلمان بادشاہ ہے جس نے دہلی میں مسلمانوں کی سلطنت قائم کی۔ رفتہ رفتہ شمالی ہندوستان کا بہت بڑا علاقہ اس سلطنت میں شامل ہوگیا۔

اس شروع زمانے کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ سلطان غیاث الدین بلبن تھا۔ وہ بڑا طاقت ور اور رعب دار بادشاہ تھا۔ تمام امراء اور رؤسا اس سے ڈرتے تھے، یہاں تک اس کے اپنے شہزادے بھی اس سے کانپتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود بے حد شریف طبیعت بادشاہ تھا اور صرف اچھے اور شریف لوگوں کی عزت اور قدر کرتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک امیر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''فخرو رئیس جہاں پناہ کی خدمت میں کئی لاکھ کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔'' بادشاہ نے پوچھا ''وہی فخرو جس نے سود کے لین دین اور بازار کی ٹھیکہ داریوں سے دولت جمع کی ہے اور رئیس بن گیا ہے؟''
امیر نے جواب دیا ''جی ہاں۔''

بادشاہ نے کہا "وہ تو کوئی اچھا اور شریف آدمی نہیں۔ اگر میں اس سے ملوں گا تو میری رعایا میرے متعلق کیا رائے قائم کرے گی۔ میں اس کو باریابی کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

بادشاہ نے کئی لاکھ روپے کے نذرانے کا نقصان کر لیا لیکن ایسے شخص سے ملنا گوارا نہ کیا جس نے برے طریقوں سے اپنی دولت جمع کی تھی اور لوگوں میں بدنام تھا، کیونکہ اس سے برے آدمیوں کی ہمت بڑھتی اور لوگ خود بادشاہ کو برا سمجھنے لگتے۔

سونے چاندی کی دولت عمدہ اخلاق اور بلند سیرت کی دولت کے سامنے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

سوالات

۱۔ سلطان غیاث الدین بلبن کہاں کا بادشاہ تھا اور کس لئے مشہور ہے؟

۲۔ سلطان بلبن اور فخرو کا واقعہ بتاؤ۔

۳۔ بادشاہ نے نذرانہ کیوں نہیں لیا؟

۳۳۔ جان بازی

ہندوستان میں سب سے پہلی اسلامی حکومت آٹھویں صدی کے شروع میں سندھ میں قایم ہوئی۔ اس کے تقریباً پانچ سو برس بعد دہلی کی سلطنت وجود میں آئی۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ میں جتنی شاندار سلطنت مغلوں کی تھی اتنی کبھی اور کسی کی نہیں ہوئی۔

سلطنت مغلیہ کو شہنشاہ بابر نے سولھویں صدی کے شروع میں قائم کیا تھا اور یہ انیسویں صدی کے بیچ تک تقریباً سوا تین سو برس قائم رہی۔

بابر افغانستان کی ایک چھوٹی سی ریاست فرغانہ کا سردار تھا لیکن بڑا بہادر اور ہمت ور تھا۔ اس نے اپنی جاں بازی سے پہلے افغانستان کو اور پھر شمالی ہندوستان کے تمام علاقوں کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔

ایک مرتبہ بابر کو ہندوستان کے ایک مشہور راجپوت سپہ سالار رانا سانگا سے لڑنا پڑا۔ یہ بہت ہی بہادر اور تجربہ کار مرد میدان تھا اور بے شمار لڑائیوں میں لڑ چکا تھا۔ وہ ایک بہت بڑی فوج لے کر اس ارادے

سے حملہ کرنے آیا کہ مسلمانوں کو اس ملک سے نکال دے۔

بابر آگرے میں رہتا تھا۔ اس نے وہاں سے نکل کر رانا سانگا کا مقابلہ کیا۔ زبردست لڑائی ہوئی لیکن اتفاقاً مغل فوجوں کی کچھ نہ چلی اور انہیں بہت نقصان اٹھانے کے بعد پیچھے ہٹنا پڑا۔ بابر نے اپنے افسروں سے مشورہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت ڈر رہے ہیں اور ان کی ہمتیں پست ہو رہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اب خیریت اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کو چھوڑ دیں اور واپس اپنے وطن چلے چلیں۔

بابر کو یہ سن کر بہت رنج ہوا۔ لیکن وہ بہادر اور ہمت ور بادشاہ تھا۔ بولا "تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ میں اس ملک کو صرف موت کے ڈر سے چھوڑ کر بھاگ جاؤں؟ دنیا کے تمام مسلمان بادشاہ یہ بات سُن کر کیا کریں گے؟"

آخر اس نے اپنے تمام لشکر کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک زبردست تقریر کی۔ اس نے کہا "بہادرو" تمھیں معلوم ہے کہ دنیا میں جو پیدا ہوا ہے اسے ضرور ایک دن مرنا ہے۔ سوائے اللہ کے اور کوئی زندہ نہیں رہنے والا۔ اس لئے ذلت کی زندگی سے عزت کی موت

اچھی۔ اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ اگر ہم میدان جنگ میں مارے
گئے تو شہید کہلائیں گے اور اگر زندہ رہے تو اللہ کی راہ میں جیتنے والے
غازی کہلائیں گے۔ دونوں طرح ہمارا فائدہ ہے۔ اس لئے آؤ ہم سب
مل کر اللہ کی کتاب کے سامنے قسم کھائیں کہ چاہے ہماری جان چلی جائے
ہم اپنے دل میں میدان جنگ سے بھاگنے کا خیال تک نہ آنے دیں گے
اللہ ہماری مدد کرے گا۔"

اس تقریر نے ہر ایک کے دل کو گرما دیا۔ سب نے قسم کھائی کہ لڑائی
کو جیتنے کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے۔ آخر گھمسان کی لڑائی ہوئی
راجپوتوں کے پیر اکھڑ گئے اور بابر نے فتح و نصرت حاصل کی۔

جو جان کی بازی لگاتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔

سوالات

۱۔ ہندوستان میں مغل سلطنت کی کس نے اور کب بنیاد رکھی؟

۲۔ رانا سانگا کون تھا؟ اس کی اور بابر کی لڑائی کا حال بتاؤ۔

۳۔ شہید اور غازی میں کیا فرق ہے؟ اپنی کتاب میں تم نے کسی شہید کے
بارے میں پڑھا ہو تو اس کا کچھ حال سناؤ۔

۴۳- دین داری

ہندوستان کے مغلیہ بادشاہوں میں اورنگ زیب سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں اس کی سلطنت اتنی وسیع تھی کہ اس میں نہ صرف تقریباً کل ہندوستان بلکہ افغانستان تک شامل تھا۔ اس زبردست طاقت وقوت کے باوجود وہ خود بہت ہی سیدھا سادا، نیک، دین دار اور فرض شناس حکمران تھا اور اپنی خوبیوں کی وجہ سے آج تک بڑی محبت سے یاد کیا جاتا ہے۔

وہ اسلامی شریعت کا بے حد پابند تھا۔ اپنے ذاتی خرچ کے لئے شاہی خزانے میں سے کبھی کچھ نہ لیتا تھا اور ہمیشہ قرآن پاک کی کتابت کرکے یا ٹوپیاں سی کر ان کی مزدوری سے اپنی ضروریات کو پورا کرتا تھا۔

وہ بڑا ہوشیار اور بہادر بادشاہ تھا۔ اس کی عمر کا زیادہ تر حصہ لڑائیاں لڑنے اور فتوحات حاصل کرنے میں گزرا۔ لیکن لڑائیوں کی مصروفیات اور ہماہمی میں بھی اس نے کبھی اللہ کا دھیان نہ چھوڑا اور ہمیشہ اسے یاد رکھا۔

ابھی وہ شہزادہ ہی تھا کہ ایک مرتبہ اس کے والد شاہجہاں بادشاہ نے

اس کو ہندوستان سے باہر افغانستان کی سرحد پر بخارا کے کچھ باغیوں کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجا۔ ایک دن دشمن سے سخت مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک طرف اورنگ زیب کے کم تعداد مغل جاں باز تھے۔ دوسری طرف شاہ بخارا کی لاتعداد تازہ دم فوج تھی۔ اورنگ زیب اپنی فوج کا سپہ سالار تھا اور پریشان تھا کہ اب کیا ہوگا۔

اتنے میں ظہر کا وقت آگیا۔ وہ اطمینان سے سامنے اپنے ہاتھی سے اترا اور وہیں میدان میں اپنی جانماز بچھادی۔ چاروں طرف سے تیر اور تلواریں چل رہی تھیں، گولے برس رہے تھے، لیکن اس نے کسی بات کی پروا نہ کی اور اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے اس کے آگے اپنا سر جھکا دیا۔

جب عبدالعزیز شاہ بخارا نے یہ بات سُنی تو اس پر بہت اثر ہوا۔ اس نے سوچا "ایسے آدمی سے لڑائی لڑنا اپنی تباہی اور بربادی کا سامان کرنا ہے" چنانچہ فوراً حکم دیا کہ لڑائی بند کر دی جائے، اور اورنگ زیب سے صلح کرلی۔

خدا ترسی اور دین داری مسلمان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص قوم کی سرداری کے لائق نہیں۔

سوالات

۱۔ مغل بادشاہوں میں سب سے بڑا اور طاقت ور کون تھا؟

۲۔ اورنگ زیب کو محبت کے ساتھ کیوں یاد کیا جاتا ہے؟

۳۔ اورنگ زیب کی بخارا والی مہم کا حال بتاؤ۔

۴۔ قوم کی سرداری کے لئے کن خوبیوں کی ضرورت ہے؟

۳۵۔ اسلامی ہمدردی

اورنگ زیب کے بعد مغل بادشاہوں میں پھر کوئی اور اس کے برابر ہوشیار اور قابل بادشاہ نہ ہوا۔ رفتہ رفتہ اس کے جانشینوں کی طاقت کم ہوتی چلی گئی۔ اس کے برخلاف انگریز جو شروع میں صرف تجارت کرنے آئے تھے ملک میں اپنی حکومت قائم کرنے کی تدبیریں کرتے رہے۔ آخر کار نصف انیسویں صدی کے چند سال بعد جب مغل بادشاہ بہادر شاہ نے ان کو ملک سے نکال باہر کرنے کا ارادہ کیا تو دونوں میں زبردست لڑائی ہوئی لیکن بہادر شاہ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ انگریزوں پر فتح حاصل کر سکتا۔ آخر شکست کھائی۔ مغل سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور انگریزوں کی حکومت شروع ہو گئی۔

انگریزی حکومت کے اس شروع زمانے میں سر سید احمد خاں مسلمانوں کے سب سے زیادہ ممتاز رہنما تھے۔ آپ نے علی گڑھ میں ایک شاندار کالج قائم کیا۔ مسلمانوں میں نئے علوم کی روشنی پھیلائی اور انہیں اس قابل کر دیا کہ اپنی بری حالت سے نکل کر پھر سے عزت کی زندگی بسر کر سکیں

سرسید احمد کا ہی ایک واقعہ مشہور ہے کہ جب ہندوستانی اور انگریزی فوجوں میں لڑائی ہو رہی تھی تو آپ کو چند انگریز مردوں اور عورتوں کی حالت پر رحم آیا اور آپ نے انھیں پناہ دے کر ان کی جان بچالی۔ جب انگریز لڑائی میں فتح پا چکے اور امن و امان قائم ہو گیا تو انھوں نے آپ کی ہمدردی اور امداد کے صلہ میں آپ کی خدمت میں ایک وسیع جاگیر پیش کی۔ یہ جاگیر ایک مسلمان نواب کی تھی جو انگریزوں کے خلاف لڑتے تھے۔ انگریزی حکومت نے اس کو اُن سے چھین لیا اور سرسید احمد سے کہا کہ یہ ہم آپ کو دیتے ہیں

سرسید احمد کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ جاگیر ایک مسلمان کی ہے تو آپ کو بہت رنج ہوا اور آپ کا دل نہ مانا کہ جس چیز کو ایک مسلمان سے چھین کر اس کو تکلیف دی گئی ہے وہ اس کو لے کر اس سے آرام اٹھائیں۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ "میں اپنے کسی مسلمان بھائی کے خون اپنی پیاس نہیں بجھانا چاہتا" اور اس قیمتی انعام کو لینے سے انکار کر دیا۔

مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں بھائی کی مصیبت سے فائدہ اٹھانا گناہ ہے۔

سوالات

۱۔ سلطنت مغلیہ کا آخری بادشاہ کون تھا؟

۲۔ مغلوں کے بعد ہندوستان کی بادشاہت کس نے حاصل کی؟

۳۔ سرسید احمد خاں کون تھے؟ وہ کس لئے مشہور ہیں؟

۴۔ ان کا جو واقعہ یہاں بیان کیا گیا ہے اس سے ان کی کون سی خوبی کا پتہ لگتا ہے؟

۳۶- کامیابی کی منزل

آج کل مسلمانوں کے تقریباً تمام ملک آزاد ہیں، لیکن ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ایک زمانہ ایسا گزر چکا ہے کہ یہ سب کے سب یورپ کی مختلف قوموں کے ماتحت یا ان کے اثر میں تھے۔ اس زبردست انقلاب میں جن لوگوں نے حصہ لیا ہے ان میں سے ایک مصطفےٰ کمال پاشا بھی تھے جو جدید ترکی کے پہلے صدر اور اپنی قوم کے محبوب ترین رہنما تھے۔ ان کے عزم، ارادے ایثار اور جواں مردی کو مسلمان کبھی نہیں بھول سکتے۔ ان کا ملک انگریزوں کا غلام ہو چکا تھا، لیکن انھوں نے اس کو پھر سے آزاد کرالیا۔

مصطفےٰ کمال پاشا فن جنگ کے ماہر اور بہترین سپہ سالار تھے۔ بڑی سے بڑی مہم سے نہ گھبراتے اور کبھی کسی خطرے سے نہ ڈرتے۔

تیس برس سے کچھ زیادہ ہوئے پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ انگریزی اور فرانسیسی فوجیں ترکی پر حملہ کر رہی تھیں اور گیلی پولی کو گھیر رکھا تھا۔ ترکوں کی طرف ایک مورچہ کی حفاظت مصطفےٰ کمال کے سپرد تھی اور یہ اپنی فوج سے آگے ایک جگہ تن تنہا خاموشی اور اطمینان سے بیٹھے ہوئے دشمن کی بڑھتی ہوئی

فوج کو دیکھ رہے تھے۔

اتنے میں ایک گولا ان کے قریب آکر پڑا۔ سب کے سب گھبرا گئے کہ کوئی گولا ان کے اپنے اوپر نہ آپڑے لیکن کسی کی کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر ایک گولا پہلے سے بھی زیادہ قریب آکر پڑا۔ لیکن یہ ویسے ہی اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ رفتہ رفتہ بہت سے گولے آنے لگے اور ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ اب مصطفےٰ کمال کا بچنا مشکل ہے۔ سب نے چلا کر کہا ''اب تو پیچھے ہٹ آیئے۔

لیکن انھوں نے اطمینان سے اپنی فوج کی طرف دیکھا اور کہا ''میں اب پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔''

اس کے بعد اپنی جیب سے ایک سگریٹ نکالا، اسے سلگایا اور اطمینان سے اس کا کش لے کر اسی طرح ہمت و استقلال کے ساتھ بیٹھے رہے۔

یکایک ایک گولا اتنے قریب آکر پڑا کہ اس کی آواز سے سب کے دل ہل گئے اور اس کی چمک سے سب کی آنکھیں چوندھیا گئیں۔ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی کہ کہاں ہے۔ سب نے خیال کیا کہ اس مرتبہ مصطفےٰ

کمال ضرور اپنی جگہ سے ہٹ آئیں گے لیکن جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بدستور اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھے سگریٹ پی رہے ہیں!

آخر مصطفےٰ کمال پاشا نے اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کی اور اپنے ملک اور قوم کو غلامی کی مصیبت سے بچا لیا۔

ہمت و استقلال کے بغیر کوئی کام انجام نہیں پا سکتا۔ ان سے ہی کامیابی کی منزل ملتی ہے۔

سوالات

۱۔ جدید ترکی کا رہنما کون تھا اور اس کا کیا کارنامہ ہے؟

۲۔ مصطفےٰ کمال نے اپنے ملک کو دشمنوں سے کس طرح بچایا؟

۳۔ گیلی پولی کا پورا واقعہ سناؤ۔ اس سے مصطفےٰ کمال کی کونسی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں؟

۳۷۔ اِسلامی زندگی

ہندوستانی مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے اور قیام پاکستان کے لئے کوشش کرنے والوں میں علامہ اقبال کا بہت بڑا درجہ ہے آپ اصل میں بیرسٹر تھے لیکن آپ کی شہرت آپ کی اس بے مثال شاعری کی وجہ سے ہے جس نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔آپ نہایت ہی نیک اور خدا ترس مسلمان تھے ۔تقریباً بارہ برس ہوئے آپ کا انتقال ہو گیا، لیکن آپ کا قومی درد اور سچی اسلامی ہمدردی ہمیشہ یادگار رہیں گے ۔

یورپ میں تعلیم پانے اور بیرسٹری کا پیشہ اختیار کرنے کے باوجود آپ کو غیر اسلامی تکلفات اور شان وشوکت سے نفرت تھی ۔ بڑے بڑے افسران اور حکام آپ کے پاس آتے رہتے تھے لیکن آپ نے اپنے مکان میں کبھی کوئی قیمتی ساز و سامان نہیں رکھا۔ نواڑ کی ایک معمولی سی چارپائی پر تکیہ لگائے بیٹھے رہتے اور اسی طرح مشرق ومغرب کے بڑے سے بڑے لوگوں سے ملاقات کرتے رہتے تھے ۔آپ کے پاس جانا بے حد آسان

تھا۔ نہ دروازے پر کوئی دربان تھا اور نہ کوئی وقت مقرر کرنے کی ضرورت تھی۔ ہر شخص آزادی سے جب چاہے آپ کے پاس حاضر ہو سکتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کو پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے ایک مقدمہ میں مشورہ کرنے کے لئے اپنے یہاں بلایا اور اپنی شاندار کوٹھی میں آپ کے قیام کا انتظام کیا۔ رات کو جب اقبال اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لئے گئے تو ہر طرف عیش و عشرت کے سامان اور اپنے پلنگ پر نرم اور قیمتی بستر دیکھ کر آپ کو خیال آیا کہ جس رسول پاک کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہمیں یہ دولت اور عیش و آرام نصیب ہیں انہوں نے خود بورئے پر سو سو کر اپنی زندگی گزاری تھی۔ اس خیال کے آتے ہی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس بستر پر لیٹنا ناممکن ہو گیا۔ اٹھے اور برابر کے غسل خانہ میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ جتنا سوچتے اتنی ہی طبیعت پریشان ہوتی اور بار بار آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ جب ذرا دل کو قرار آیا تو اپنے ملازم کو بلا کر وہیں ایک چارپائی بچھوائی اور اپنا بستر لگوایا اور جب تک وہاں مقیم رہے اسی غسل خانے میں سوتے رہے۔

عیش وعشرت کی زندگی مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں۔ سادگی اور بلند خیالی ہماری خصوصیات ہیں۔

سوالات

۱۔ علامہ اقبال کون تھے، کہاں کے رہنے والے تھے؟

۲۔ تم نے ان کی کون کون سی نظمیں پڑھی ہیں؟

۳۔ رئیس کے یہاں جو واقعہ ہوا اسے سناؤ۔

۴۔ اس واقعہ سے علامہ اقبال کی کیا خوبی معلوم ہوتی ہے؟

(مکتبۂ تہذیب)